itsurdu.blogspot.com

طلبہ کے لیے منتخب تحریریں

ماہنامہ

انوکھی کہانیاں

کراچی

July 2011 Rs. 25

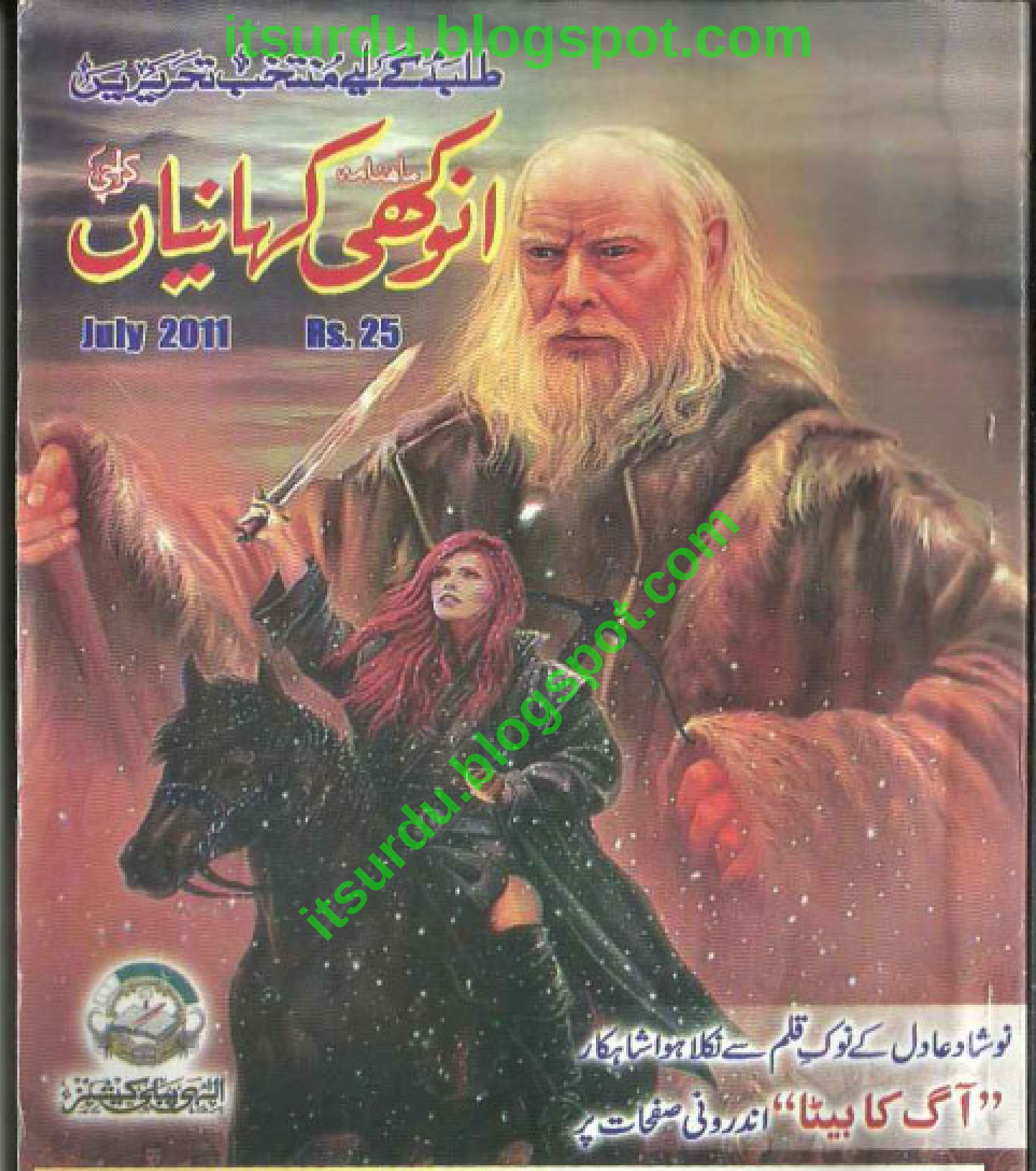

itsurdu.blogspot.com

الہدیٰ پبلی کیشنز

نوشاد عادل کے نوکِ قلم سے نکلا ہوا شاہکار

"آگ کا بیٹا" اندرونی صفحات پر

DOLLAR

نب اس کی اندر نہ جائے
ڈالر کا مارکر چلتا جائے...

Colour Markers™

DOLLAR Colour

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

بچوں کے معروف ایوارڈ یافتہ ادیب ڈاکٹر ظفر احمد خاں
جو کہ ایک قابل ہومیو پیتھ بھی ہیں۔

بچوں کے امراض کے علاوہ، مزمن امراض اور نفسیاتی امراض میں اپنا مقام رکھتے ہیں۔ آپ نے جس طرح بچوں کے ادب میں شہرت پائی اسی طرح ہومیو پیتھی میں بھی اچھی شہرت پائی آپ کے تجربے سے اب تک ہزاروں مریض شفایاب ہو چکے ہیں۔

نیچر این ہومیو
Nature n Homoeo

اوقات: روزانہ شام 7 بجے تا رات 12 بجے (اتوار اوپن)
دوپہر 12 بجے تا دوپہر 2 بجے (جمعہ اور اتوار تعطیل)

Cell: 0300-3668371 • zafara46@gmail.com

چھیپا ڈسپنسری، خداداد کالونی، شاہراہِ قائدین، کراچی۔

SUPER SONIC
pakki pencil
SHARP KARO KITNA BHI
SIKA TOTAY GA NAHIN!!!

Deer
the Zebra have

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

انوکھی کہانیاں کے قارئین کے لیے

خاص نمبرز کی برسات

قہقہہ نمبر.....ستمبر 2011ء میں شائع ہو رہا ہے۔تحریریں ارسال کرنے کی آخری تاریخ 5 اگست 2011ء۔

ایڈونچر نمبر.....جنوری 2012ء میں شائع ہو رہا ہے۔تحریریں ارسال کرنے کی آخری تاریخ 5 نومبر 2011ء۔

جاسوسی نمبر.....اپریل 2012ء میں شائع ہو رہا ہے۔تحریریں ارسال کرنے کی آخری تاریخ 5 فروری 2012ء

سائنس فکشن نمبر.....جولائی 2012 میں شائع ہو رہا ہے۔تحریریں ارسال کرنے کی آخری تاریخ 5 مئی 2012ء

ایکشن نمبر.....اکتوبر 2012ء میں شائع ہو رہا ہے۔تحریریں ارسال کرنے کی آخری تاریخ 5 اگست 2012ء

اپنی تحریریں جلد از جلد ارسال کریں۔

علاوہ ازیں ان خاص نمبرز میں شائع ہونے والی کہانیوں و نظموں کو کتابی صورت میں بھی شائع کیا جائے گا۔

رابطہ: ماہنامہ انوکھی کہانیاں پوسٹ بکس 4252 کراچی، 74000
ای میل: melahi63@yahoo.com موبائل۔0333-2172372

itsurdu.blogspot.com
itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

گائیڈ......فروغ ادب اطفال کی تنظیم

گزشتہ دنوں کراچی کے متعدد بچوں کے ادیبوں و مدیران کا اجلاس منعقد ہوا جس میں گائیڈ کے نام سے فروغ ادب اطفال کی تنظیم کو فوری طور پر فعال کر دیا گیا ہے۔

اغراض و مقاصد:

☆ بچوں کے ادیبوں اور شاعروں اور مدیران رسائل کے ساتھ روابط ☆ سالانہ مقابلہ رسائل
☆ فروغ بچوں کا ادب کے لئے فنڈ کا قیام ☆ بچوں کے ادب پر انسائیکلو پیڈیا کی اشاعت
☆ بچوں کے ادیبوں و شاعروں کی ڈائریکٹری کی اشاعت ☆ بچوں کے ادیبوں کی کتابوں کی اشاعت

عہدے داران:

صدر: **سید اشرف بیتھوی** سینئر نائب صدر: **نوشاد عادل**
نائب صدر: **محبوب الٰہی مخمورؔ** جنرل سیکریٹری: **صفدر رضا رضوی**
جوائنٹ سیکریٹری: **محمد وسیم خان** انفارمیشن سیکریٹری: **غلام محی الدین ترک**
نگران ادبی کمیٹی: **سید رفیع الزماں**

خصوصی ممبران: علی حسن ساجد، مصطفےٰ ہاشمی، غلام حسین میمن، ضیاء الحسن ضیا، محمد انور [illegible]، یاسمین حفیظ، مختار بھٹی، مشتاق حسین کاشمیری، محمد سعید عباس، صداقت حسین ساجد (شورکوٹ)، عمران یوسف زئی (پشاور)، محمد شاہد حفیظ (میلسی)، محمد علی (اسلام آباد)، رضوان بھٹی (محراب پور)، رانا محمد شاہد (بورے والا)۔

آپ بھی گائیڈ کے ممبر بن سکتے ہیں۔

آیئے اس کاروانِ ادب اطفال میں شامل ہو جائیں۔

ہم آپ کے منتظر ہیں۔

رابطہ: ماہنامہ انوکھی کہانیاں پوسٹ بکس 4252 کراچی۔ فون: 0333-2172372۔ ای میل: melahi63@yahoo.com

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

دورِ جدید کے بچوں کے ممتاز ادیبوں کی خوفناک کہانیوں پر مبنی مجموعہ

"خوفناک کہانیاں"

شائع ہو گیا ہے

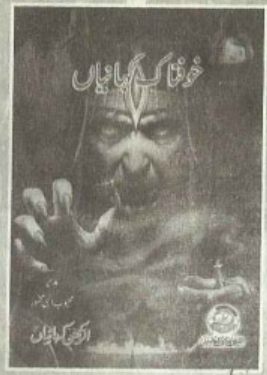

170 صفحات...... قیمت صرف 80 روپے

100 روپے کے ڈاک ٹکٹ یا

ایزی لوڈ 0333-2172372 پر بھیج کر

رجسٹرڈ ڈاک سے طلب کریں۔

رابطہ

ماہنامہ انوکھی کہانیاں'

پی او بکس

4252۔ کراچی۔

پاکستان بھر میں اوّل انعام یافتہ رسالہ

انوکھی کہانیاں

شعبہ بچوں کا ادب' دعوۃ اکیڈمی' بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد

کی جانب سے منعقدہ مقابلہ برائے **خاص شمارہ**

"**پیارے نبیؐ نمبر**" میں ماہنامہ انوکھی کہانیاں نے

اوّل پوزیشن حاصل کی ہے

ہم اس عظیم کامیابی پر اللہ تعالیٰ کے لاکھ لاکھ بار شکر گزار ہیں

اراکین شعبہ ادارت...... الٰہی پبلی کیشنز

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

انعامی مقابلے

میرے پسندیدہ اشعار

قارئین کے پُر زور اصرار پر میرے پسندیدہ اشعار کے عنوان سے ہم نے ایک سلسلہ شروع کیا ہے جس میں آپ اپنے پسندیدہ اشعار بھیج سکتے ہیں۔ سب سے بہترین شعر پر ایک ساتھی کو خوبصورت کتاب کا تحفہ دیا جائے گا۔

قارئین کم از کم تین اشعار ارسال کریں تا کہ انتخاب کرنے میں آسانی ہو۔

گوگو خصوصی مقابلہ

گوگو پان مصالحہ بنانے والے شہزادہ انڈسٹریز کی جانب سے ایک خصوصی انعامی مقابلے کے تحت آپ ایک سوال کا جواب دے کر کتاب کا تحفہ حاصل کر سکتے ہیں۔ حل زائد ہونے کی صورت میں فیصلہ بذریعہ قرعہ اندازی کیا جائے گا۔ تین ساتھیوں کو کتاب کا تحفہ بھیجا جائے گا۔

سوال: حضرت ابوذر غفاری کا اصل نام بتایئے؟

سطریں تلاش کیجئے

مندرجہ ذیل سطریں مختلف تحریروں سے منتخب کی گئی ہیں۔ آپ ان تحریروں کے عنوان اور صفحہ نمبر بتا کر انعام حاصل کر سکتے ہیں۔ صحیح جواب بھیجنے والے تین ساتھیوں کو خوبصورت کتاب کا انعام دیا جائے گا۔

☆اس نے اپنی اس سوچ پر عمل کرنے میں کوئی تاخیر نہ کی۔

☆انھوں نے مجھے غور سے دیکھا جیسے میں نے کوئی غلط بات پوچھ لی ہو۔

ماہ نامہ انوکھی کہانیاں، پوسٹ بکس 4252، کراچی۔ 74000

itsurdu.blogspot.com

دعوۃ اکیڈمی بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد کی جانب سے

اوّل انعام یافتہ میگزین

DA'WAH ACADEMY
INTERNATIONAL ISLAMIC UNIVERSITY
ISLAMABAD

انوکھی کہانیاں

مسلسل چار مرتبہ ایوارڈ یافتہ

رکن آل پاکستان چلڈرن میگزین سوسائٹی

جلد نمبر 21 شمارہ نمبر 07 جولائی 2011ء قیمت 25 روپے

بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد اور یونیسیف پاکستان کی جانب سے مسلسل چار مرتبہ

ایوارڈ یافتہ میگزین

بانی

الٰہی بخش چشتی

مدیر: محبوب الٰہی مخمورؔ

مدیرانِ اعزازی: شہاب الدین خان ٭ موسیٰ رضا

ریزیڈنٹ ایڈیٹر لاہور / بزنس ایگزیکٹو خرم لودھی موبائل فون 0300-4895709

مجلس مشاورت

پروفیسر ... انصاری | سید رفیع الزماں | شیخ منظر عالم | سید اشرف جعفری | ڈاکٹر ظفر احمد خان | ایس ایم شجاع

فوٹو گرافر منیر احمد

بزنس مینیجر انعام الٰہی عارف

فون نمبر 0333-2172372

رجسٹرڈ و کوریئر خطوط کے لیے پتا R-95 سیکٹر 15-B بفر زون، نارتھ کراچی

قیمت [redacted] روپے

سالانہ چندہ رجسٹرڈ ڈاک 500 روپے

خط و کتابت کا پتا:

سی پی او بکس نمبر 4252 کراچی

E-mail: melahi63@yahoo.com

itsurdu.blogspot.com

انعامی مقابلے

میرے پسندیدہ اشعار

قارئین کے پُرزور اصرار پر میرے پسندیدہ اشعار کے عنوان سے ہم نے ایک سلسلہ شروع کیا ہے جس میں آپ اپنے پسندیدہ اشعار بھیج سکتے ہیں۔ سب سے بہترین شعر پر ایک ساتھی کو خوبصورت کتاب کا تحفہ دیا جائے گا۔

قارئین کم از کم تین اشعار ارسال کریں تاکہ انتخاب کرنے میں آسانی ہو۔

گوگو خصوصی مقابلہ

گوگو پان مصالحہ بنانے والے شہزادہ انڈسٹریز کی جانب سے ایک خصوصی انعامی مقابلے کے تحت آپ ایک سوال کا جواب دے کر کتاب کا تحفہ حاصل کر سکتے ہیں۔ حل زائد ہونے کی صورت میں فیصلہ بذریعہ قرعہ اندازی کیا جائے گا۔ تین ساتھیوں کو کتاب کا تحفہ بھیجا جائے گا۔

سوال: حضرت ابوذر غفاری کا اصل نام بتایئے؟

سطریں تلاش کیجئے

مندرجہ ذیل سطریں مختلف تحریروں سے منتخب کی گئی ہیں۔ آپ ان تحریروں کے عنوان اور صفحہ نمبر بتا کر انعام حاصل کر سکتے ہیں۔ صحیح جواب بھیجنے والے تین ساتھیوں کو خوبصورت کتاب کا انعام دیا جائے گا۔

☆ اس نے اپنی اس سوچ پر عمل کرنے میں کوئی تاخیر نہ کی۔

☆ انھوں نے مجھے غور سے دیکھا جیسے میں نے کوئی غلط بات پوچھ لی ہو۔

ماہنامہ انوکھی کہانیاں، پوسٹ بکس 4252، کراچی۔ 74000

دعوۃ اکیڈمی بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد کی جانب سے

اوّل انعام یافتہ میگزین

DA'WAH ACADEMY
INTERNATIONAL ISLAMIC UNIVERSITY
ISLAMABAD

انوکھی کہانیاں

جلد نمبر 21 شمارہ نمبر 07 جولائی 2011ء قیمت 25 روپے

3rd Prize - 1994 | 4th Prize - 1995 | 2nd Prize - 1996 | 3rd Prize - 1993

بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد اور یونیسیف پاکستان کی جانب سے مسلسل چار مرتبہ

ایوارڈ یافتہ میگزین

بانی
الٰہی بخش چشتی

مُدیر: محبوب الٰہی مخمورؔ

مدیرانِ اعزازی: شہاب الدین خان ○ موسیٰ رضا

ریزیڈنٹ ایڈیٹر لاہور/ بزنس ایگزیکٹو خرم لودھی موبائل فون 0300-4895709

مجلسِ مشاورت

پروفیسر ... انصاری | سید رفیع الزماں | شیخ منظر عالم | سید اشرف جعفری | ڈاکٹر ظفر احمد خان | ایس ایم شجاع

فون نمبر 0333-2172372

بزنس منیجر انعام الٰہی عارف

فوٹوگرافر منیر احمد

رجسٹرڈ دفتر و خط و کتابت کا پتا: R-95 سیکٹر 15-B بفرزون، نارتھ کراچی

قیمت [redacted] روپے

سالانہ چندہ رجسٹرڈ ڈاک 500 روپے

خط و کتابت کا پتا:
سی پی او بکس نمبر 4252 کراچی

E-mail: melahi63@yahoo.com

itsurdu.blogspot.com
itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

حمد باری تعالیٰ

گل و لیل صبا سب کچھ
کرے تیری ثناء سب کچھ

شعورِ ذات کا حاصل
تری مدح، ثناء سب کچھ

ہے تیری ذات کا پرتو
یہ تاریکی، ضیا سب کچھ

ترے انوارِ رحمت سے
منور ہے فضا سب کچھ

دیا کھانے، پہننے کو
کیا تو نے عطا سب کچھ

جہانِ رنگ و بو فانی!
تجھے حاصل بقا سب کچھ

حکیم خان حکیم،
اٹک

ترے لطف و کرم سے ہے
مرا نام و انا سب کچھ

فہرست

13 حمد — حکیم خان حکیم

24 مناجات مقبول — مشتاق احمد قادری

15 اداریہ — محبوب الٰہی مخمور

16 عظمت کے مینار — آصف جاوید نقوی

20 چھن چھن — ڈاکٹر عمران مشتاق

25 نیک بات — ضیاء الحسن

26 ڈاک بابو — محبوب الٰہی مخمور

33 آگ کا بیٹا — نوشاد عادل

44 گائیڈ — غلام محی الدین ترک

51 نیت کا پھل — صداقت حسین ساجد

57 آلودگی — امتیاز عارف

58 موت سے پہلے — خلیل جبار

67 کاٹھ کی ہنڈیا — الطاف حسین

80 صحت — عباس العزم

81 خواب خرگوش — رضیہ خانم

83 قلمی خبرنامہ — ابن وصی

91 تحفہ — کشف الکرام صدیقی

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

مناجات مقبول

کرم مصطفےٰ کا سدا مانگتا ہوں
یہ مولا میں تجھ سے دعا مانگتا ہوں

رہے مجھ سے راضی خدائے دو عالم
میں عاصی ہوں، ہو دور مجھ سے ہر اک غم

جو باغی ہیں مٹ جائیں دنیا سے سارے
لگے میری کشتی بھی اب تو کنارے

عمل نیک ہو جائے میرا خدایا
حقیقی نظر آئے ہر سمت سایا

ہو احسن زمانے میں ہر بات مری
یہ دنیا ہو مشتاق ہر آن تیری

محمد مشتاق حسین قادری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اداریہ

عزیز ساتھیو...... السلام علیکم!

امید ہے مزاج گرامی بخیریت ہوں گے۔ انوکھی کہانیاں کا جولائی کا شمارہ حاضر خدمت ہے۔ آپ لوگوں کی رائے کے ذریعے ہمیں پتا چلتا رہتا ہے کہ آپ کو کون کون سی تحریریں زیادہ پسند آ رہی ہیں۔ اس کے علاوہ خوف ناک نمبر کی اشاعت کے بعد ہمارے ساتھیوں نے یہ بھی فرمائش کر دی کہ انوکھی کہانیاں سال میں کم از کم دو خاص نمبر ضرور شائع کرے۔

قارئین کی رائے کو مدنظر رکھتے ہوئے ہم نے پروگرام بنایا ہے کہ ادارہ انوکھی کہانیاں سال میں دو نہیں چار خاص نمبر شائع کرے گا۔ جس کا اعلان جولائی کے شمارے میں موجود ہے۔ اب تو آپ خوش ہیں۔ علاوہ ازیں ان خاص شماروں کو بعد میں کتابی صورت میں بھی شائع کیا جائے گا۔ اس طرح ہمارے ساتھیوں کی تحریریں رسالوں کے ساتھ ساتھ کتابوں میں بھی محفوظ ہو جائیں گی۔ اس بارے میں آپ کی رائے کا انتظار رہے گا۔

جولائی کے شمارے میں دوسری خوش خبری تنظیم اطفال گائیڈ کے حوالے سے ہے۔ فروغ بچوں کے ادب کے لیے ہم اور ہمارے ساتھیوں نے گائیڈ تنظیم کو فعال کر دیا ہے۔ جس کے تحت بچوں کے ادب کے حوالے سے کام میں تیزی لانا ہے۔ ہم یہ دعویٰ نہیں کرتے کہ ہم بہت سارے کام کر لیں گے مگر چھوٹے چھوٹے کام یکسوئی سے کرنے کی کوشش ضرور کریں گے۔ جس کی بدولت بچوں کا ادب ترقی کی جانب گامزن ہو جائے گا۔ گائیڈ کے بارے میں مکمل تفصیلات شمارے میں موجود ہیں۔ اس بارے میں بھی آپ کی رائے کے منتظر ہیں۔

والسلام

محبوب الٰہی مخمور
مدیر

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ

سید آصف جاوید نقوی

آخری حصہ

دمشق کے بعد مسلمان تفسیرین اور بعلبک کے اہم شہروں کو فتح کرتے ہوئے حمص کی طرف بڑھے جو ملک شام کا ایک اہم شہر تھا جہاں رومیوں نے ایک منظم اور زبردست لشکر جمع کر رکھا تھا۔ شام کا نامی گرامی جنگجو ''مرلیس'' حمص کا حاکم تھا۔ اُس نے پہلے تو شہر سے باہر نکل کر مسلمانوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا لیکن اہل ایمان کے سامنے اس کی ہر تدبیر ناکام ہوئی اور مسلمانوں کو شکست دینے کی خواہش پوری نہ ہو سکی۔ ایک خونریز جنگ کے بعد اس کے لشکر نے پسپائی اختیار کی اور قلعہ بند ہونے میں ہی عافیت جانی۔

لشکر اسلام نے قلعہ کا محاصرہ کر لیا اور بار بار حملے کیے لیکن اہل حمص نے سخت مزاحمت کا سلسلہ جاری رکھا اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ حمص کی فتح مشکل سے مشکل تر ہوتی گئی۔ اس صورتحال میں مسلمانوں نے ایک جنگی منصوبہ ترتیب دیا جس پر عمل درآمد کرتے ہوئے تھوڑے سے سواروں کو معمولی ساز و سامان کے ساتھ قلعہ کے محاصرہ پر قائم رکھتے ہوئے لشکر اسلام حمص کا محاصرہ اٹھا کر ایک منزل دور چلا گیا۔

حاکم حمص مرلیس سمجھا کہ مسلمان بددل ہو کر مایوسی کے عالم میں واپس چلے گئے ہیں۔ چنانچہ وہ اپنی فوج کے ساتھ قلعہ سے باہر نکلا اور محاصرہ پر تعینات مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔ مسلمانوں نے کچھ دیر مقابلہ کیا اور پھر دانستہ طور پر پسپائی اختیار کرنے لگے۔ رومیوں کے حوصلے مزید بلند ہوئے اور انہوں نے مسلمانوں کا تعاقب شروع کر دیا اس طرح مسلمانوں کی تدبیر کارگر ثابت ہوئی۔ لشکر اسلام نے شہر سے کافی دور خفیہ مورچے قائم کر لیے تھے، جیسے ہی رومی لشکر ان کی زد میں آیا، مجاہد اسلام نعرہ تکبیر بلند کرتے ہوئے برق بے اماں کی طرح ان پر ٹوٹ پڑے۔ اب رومیوں کے پاس سوائے مقابلہ کرنے کے دوسری کوئی راہ نہ تھی لہٰذا انہوں نے بھی سر دھڑ کی بازی لگا دی اور جم کر مقابلہ کرنے لگے۔ حضرت سعید بن زیدؓ نے اس معرکہ میں بھی نہایت بہادری کا مظاہرہ کیا اور بڑھ بڑھ کر رومیوں پر حملے کیے۔ رومی افواج نہایت استقامت کے ساتھ اپنے نامور سردار مرلیس کی قیادت میں لشکر اسلام کا مقابلہ کر رہی تھی اور لڑائی برابری کی سطح پر لڑی جا رہی تھی۔ حضرت سعید بن زیدؓ نے سرفروشی کا مظاہرہ کرتے ہوئے رومی فوج کے اس حصے کی طرف یلغار کی جہاں ان کا سردار مرلیس اپنی فوج کے حوصلے بلند کر رہا تھا۔

حضرت سعید بن زیدؓ رومی فوج کی صفوں کو چیرتے ہوئے ان کے سردار مرلیس کے سر پر جا پہنچے اور اس کا کام تمام کر دیا۔ مرلیس کی ہلاکت کے ساتھ ہی رومیوں کے حوصلے پست ہو گئے اور انہیں شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ حمص کی فتح کے بعد یرموک کی خونریز جنگ پیش آئی۔ اس معرکہ میں بھی حضرت سعید بن زیدؓ نے ایسی شجاعت اور جانثاری کا مظاہرہ کیا کہ حق جہاد ادا کر دیا۔ جنگ یرموک میں آپ لشکر اسلام کی پیدل فوج کے سالار مقرر تھے۔ جنگ یرموک تاریخ میں بڑی اہمیت کی حامل ہے کیونکہ یہی وہ جنگ تھی جس نے شام کی قسمت کا بڑی حد تک فیصلہ کر دیا تھا۔

علامہ شبلی نعمانیؒ اپنی مشہور زمانہ تصنیف ''الفاروق'' میں رقم طراز ہیں کہ اثنائے جنگ میں رومیوں نے اچانک مسلمانوں کے میسرہ پر حملہ کیا۔ ابتداء میں مسلمانوں کے پاؤں میدان جنگ سے اکھڑ گئے لیکن افسر جم کر لڑتے رہے۔ حضرت سعید بن زیدؓ غصے میں گھٹنے ٹیکے کھڑے تھے، رومی ان کی طرف بڑھے تو وہ شیر کی طرح ان پر جھپٹے اور رومی فوج کے مقدمہ کے افسر کو مار گرایا۔ حضرت سعید بن زیدؓ کی جرأت سے مسلمانوں کے حوصلے پھر سے بلند ہوئے چنانچہ مجاہدین اسلام ایک بار پھر جانبازی کا مظاہرہ کرنے لگے جس کے نتیجے میں رومیوں کے ٹڈی دل لشکر کو شکست فاش کا سامنا کرنا پڑا۔

اسی زمانے میں لشکر اسلام کے سپہ سالار کی ذمہ داریاں حضرت خالد بن ولیدؓ سے حضرت ابو عبیدہ ابن الجراحؓ کو منتقل ہو چکی تھیں۔ انہوں نے حضرت سعید بن زیدؓ کو دمشق کا حاکم مقرر کیا لیکن آپ کے دل میں تو شوق جہاد کے شعلے بھڑک رہے تھے، انہوں نے حضرت ابو عبیدہؓ کو لکھا کہ:

''میں ایسا ایثار نہیں کر سکتا کہ آپ لوگ تو جہاد

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

کریں اور میں اس سے محروم رہوں لہٰذا یہ خط پہنچتے ہی میری جگہ کسی اور کو بھیج دیجیے۔"

اس طرح حضرت سعید بن زیدؓ دمشق کی امارت سے استعفیٰ دے کر ایک بار پھر میدان جہاد پہنچ گئے اور فتوحات شام میں نمایاں کردار ادا کیا۔ شام کی فتح کے بعد آپ مدینہ منورہ آ کر گوشہ نشین ہو گئے اور عبادت و ریاضت میں مشغول ہو گئے۔

23 ہجری میں فیروز لولو نامی ایک مجوسی نے زہر میں بجھے خنجر سے امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ پر اس وقت حملہ کیا جب آپ نماز کی امامت فرما رہے تھے۔ حضرت عمرؓ شدید زخمی ہو گئے اور آپ کو غشی کی حالت میں گھر منتقل کیا گیا۔ حضرت عمرؓ کو اپنی جانبری کی امید نہ رہی تھی چنانچہ انہوں نے فرمایا:

"دیکھو میں نے کسی کے متعلق کچھ نہیں کہا اور کسی کو اپنا جانشین نہیں بنایا۔ جو عرب اس وقت قید میں ہیں وہ سب آزاد ہیں۔"

اس وقت حضرت عمر فاروقؓ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے ٹیک لگائے ہوئے تھے جبکہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت سعید بن زیدؓ قریب ہی بیٹھے تھے۔ حضرت سعید بن زیدؓ نے عرض کی کہ اگر آپ کسی کو خلیفہ نامزد کر دیں تو مسلمان آپ پر اعتماد کریں گے۔

حضرت سعید بن زیدؓ اور حضرت عمرؓ کے صاحبزادے حضرت عبداللہ بن عمرؓ دونوں ہر طرح سے خلافت کے حق دار تھے لیکن حضرت عمرؓ نے اس بات کو پسند نہ کیا کہ وہ اپنی اولاد یا خاندان میں سے کسی کو خلافت منتقل کریں چنانچہ انہوں نے فرمایا۔

"میں تو صرف ان چھ اشخاص کے اندر خلافت کو رکھوں گا جن سے رسول اللہؐ وفات تک راضی رہے اور جن میں بار خلافت اٹھانے کی صلاحیت بھی ہے۔"

حضرت عمرؓ، حضرت سعید بن زیدؓ کی صلاحیتوں اور اسلامی خدمات سے بخوبی واقف تھے لیکن آپ کو خلافت کا امیدوار محض اس بناء پر نہ بنایا کہ آپ کا تعلق حضرت عمرؓ کے قبیلہ بنو عدی سے تھا۔

اس واقعہ کے بعد حضرت سعید بن زیدؓ نے بقیہ زندگی نہایت خاموشی کے ساتھ عبادت و ریاضت میں گزاری اور ملکی سیاست کے ہر قسم کے ہنگاموں سے کنارہ کش رہے۔ آپ کو کثرت عبادت اور زہد و تقویٰ کی بدولت "مستجاب الدعوات" کا درجہ حاصل ہو گیا تھا۔

امام مسلمؒ، حافظ ابن حجرؒ اور حافظ ابن عبد البرؒ نے ایک واقعہ روایت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ "اروی بنت اولیس" نامی ایک عورت نے والی مدینہ مروان بن الحکم کے پاس شکایت کی کہ حضرت سعید بن زیدؓ نے اس کی زمین کا کچھ حصہ دبا لیا ہے چنانچہ مروان نے آپ کو طلب کر کے حقیقت حال دریافت کی تو آپ نے فرمایا:

"اے مروان! تم میری نسبت گمان کرتے ہو کہ میں نے اس کی زمین کا کچھ حصہ غصب کر لیا ہے حالانکہ

میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ جو شخص ایک بالشت بھر زمین پر ظلم سے قبضہ کرے گا قیامت کے دن اس کو ویسی سات زمینوں کا طوق پہنایا جائے گا۔"

والی مدینہ مروان بن الحکم نے آپ سے قسم کھانے کو کہا تو آپ اس زمین سے دستبردار ہو گئے لیکن دل گرفتگی کے عالم میں یہ الفاظ بے اختیار منہ سے نکل گئے۔

"الٰہی! اگر یہ عورت جھوٹی ہے تو اسے اندھا کر دے اور اس کو اسی کی زمین میں موت دے اور مسلمانوں پر میرے حق کو بخوبی واضح کر دے۔"

اللہ کی قدرت کہ کچھ عرصہ بعد ہی اروی کی بینائی زائل ہو گئی اور ایک دن وہ اپنے گھر کے کنویں میں گر کر مر گئی۔۔ اس کے بعد اہل مدینہ میں یہ ضرب المثل بن گئی کہ

"خدا تجھے اندھا کرے جیسا کہ اروی کو اندھا کیا۔"

حضرت سعید بن زیدؓ کے خاص اوصاف میں شوق جہاد، زہد و تقویٰ، ایثار و اخلاص اور خشیت الٰہی بہت نمایاں ہیں۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ فرماتے ہیں کہ

"سعید بن زیدؓ کا دامن عمل کبھی گناہ کی آلودگیوں سے داغدار نہیں ہوا اور آپ ہمیشہ اتباع رسولؐ میں کوشاں رہتے تھے۔"

حضرت سعید بن زیدؓ دنیا کے معاملات سے کنارہ کشی اختیار کر چکے تھے اور ملکی سیاسی اتار چڑھاؤ یا ہنگامہ آرائیوں سے بالکل دور رہے تھے لیکن 35 ہجری میں حضرت عثمان غنیؓ کی مظلومانہ شہادت پر خاموش نہ رہ سکے اور ظالموں کی برملا مذمت کی۔ اس زمانہ میں آپ کوفہ میں مقیم تھے۔ اس واقعہ کی خبر ہوئی تو آپ نے کوفہ کی مسجد میں لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

"لوگو! خدا کی قسم میں نے اپنے آپ کو اس حال میں دیکھا ہے کہ اسلام لانے کے جرم میں عمرؓ مجھے اور اپنی بہن کو باندھ دیا کرتے تھے (جب وہ مسلمان نہ ہوئے تھے) اور تم نے عثمانؓ کے ساتھ جو بدسلوکیاں اور زیادتیاں کی ہیں۔ اگر ان کی وجہ سے کوہ احد پھٹ جائے تو اس کا پھٹ جانا بجا ہے۔"

حضرت سعید بن زیدؓ نے نواح مدینہ میں "عقیق" کے مقام پر مستقل سکونت اختیار کر لی تھی اور تقریباً اسی سال کی عمر میں 52 ہجری میں بروز جمعہ وفات پائی۔ جنازہ عقیق سے مدینہ منورہ لایا گیا۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے غسل دیا اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ پھر حضرت سعد بن ابی وقاصؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ قبر میں اترے اور اسلام کے اس عظیم جرنیل اور رسول اللہ ﷺ کے جانثار کو سپرد خاک کر دیا جسے زندگی میں ہی زبان رسالت مآبؐ سے جنتی ہونے کی نوید ملی اور عشرہ مبشرہ ہونے کی سعادت حاصل تھی۔

"اللہ ان سے راضی اور یہ اپنے اللہ سے راضی"

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

چُھن چُھن..... چُھن

بارش اچانک ہی شروع ہوئی تھی۔ اتنی تیز اور موسلا دھار کہ خدا کی پناہ۔ شبیر چند لمحوں میں ہی بھیگ گیا۔ کپڑے بھیگنے سے سردی لگنے لگی اور جسم پہ تھرتھری سی طاری ہوگئی۔ بارش کے زور سے بچنے کے لیے وہ ایک دُکان کے چھجے کے نیچے پناہ کے لیے دوڑا تھا۔ وہاں دو اور آدمی بھی بارش سے بچنے کے لیے دبکے ہوئے تھے۔ دُکان بند تھی۔ ہوا میں اتنی تیزی اور کاٹ تھی کہ جسم پہ لگتے تھپیڑے زمین سے پاؤں اُکھاڑنے کے لیے کافی تھے۔ بارش سے کچھ بچت تو ہوگئی تھی لیکن سردی سے بچنے کا کوئی انتظام نہ تھا۔ شبیر کے کپڑے سردی سے بچانے کے لیے ناکافی تھے اور فی الحال کچھ نہیں ہوسکتا تھا۔ شبیر کو ان دو آدمیوں میں سے ایک اچھا نہیں لگا۔ اُس کا حلیہ اور لباس جرائم پیشہ بدمعاش لوگوں جیسا تھا۔

"میرا خیال ہے کہ بارش کی فکر کیے بغیر مجھے یہاں سے نکل جانا چاہیے۔" وہ دل ہی دل میں سوچ رہا تھا، کہ اچانک بجلی چلی گئی۔ ہر طرف چھا جانے والے اندھیرے نے اُسے پل بھر کو تو سہما کر رکھ دیا۔ آسمان پہ بجلی کی گڑگڑاہٹ سے ویسے ہی دل کانپ رہا تھا۔ بجلی جب ایک دفعہ زور سے چمکی تو اُس کی روشنی میں اُس نے دیکھا کہ وہ بدمعاش آدمی اُس کے قریب ہی کھڑا تھا۔ شبیر پہ یک دم ہی گھبراہٹ طاری ہوگئی۔ اُس نے

بارش کی پرواہ کیے بغیر دوڑ لگا دی۔ بارش نے اُسے ایک لمحے میں پوری طرح سے بھگو دیا۔ اُسے بھاگتے ہوئے اس بات کا احساس تھا کہ کوئی اُس کے پیچھے بھاگا چلا آرہا ہے۔ وہ جانتا تھا کہ وہ کون ہے۔ وہ جی جان سے دوڑتا چلا جارہا تھا اور بھاگتے ہوئے قدموں کی آواز قریب آتی جارہی تھی۔ شبیر کی پریشانی بڑھتی جارہی تھی اور وہ بدمعاش اُس سے زیادہ رفتار سے دوڑ رہا تھا۔ وہ اور قریب ہوا اور اُس نے ایک جھپٹا سا مارا۔ شبیر کے کاندھے پہ اُس کا ہاتھ پڑا۔ شبیر رُکے بغیر بھاگتا رہا۔ اُس نے ایک بار پھر کوشش کی۔ شبیر گرتے گرتے بچا۔ شبیر کو احساس ہوا کہ کوئی چیز زمین پہ گری تھی مگر وہ رُک نہیں سکتا تھا۔ وہ جان توڑ بھاگتا رہا۔ تھوڑی دیر بعد اُسے لگا کہ اب اُس کے پیچھے کوئی نہیں آرہا۔ گردن موڑ کر دیکھنے سے اس بات کی تصدیق بھی ہوگئی۔ اُس کی رفتار آپ ہی کم ہوگئی۔ بارش میں بھیگنے سے سردی کا برا حال ہوگیا تھا۔ سانس دھونکنی کی طرح چل رہا تھا اور ماتھے پہ پسینہ چھوٹ پڑا تھا۔ اب جو اُس نے اپنی جیبوں کو چیک کیا تو پتہ چل گیا کہ بھاگنے کے دوران کیا گر گیا تھا۔ پینٹ کی پچھلی جیب میں رکھا ہوا بٹوا غائب تھا۔ وہ بدمعاش یقیناً بٹوے کے لیے ہی اُس کے پیچھے پڑا تھا۔

"وہ بھی کیا یاد کرے گا، جب بٹوے میں سے صرف بیس روپے ہی نکلیں گے۔ کالج کے فرسٹ ائیر کے طالب علم کے بٹوے میں اور ہو بھی کیا سکتا ہے؟" شبیر دل ہی دل میں مسکرا رہا تھا۔ اب وہ دوڑ نہیں رہا تھا بلکہ تھوڑا تیز چل رہا تھا۔ گھر اب آدھے میل سے بھی کم فاصلے پر تھا۔

"چُھن چُھن۔۔۔۔ چُھن۔۔۔۔" کی آواز نے شبیر کو چونکنے پر مجبور کر دیا۔

"کیا کوئی پھر میرے پیچھے آرہا ہے؟ یہ آواز سُنی سُنی سی لگ رہی ہے۔" وہ چلتے چلتے لمحے بھر کے لیے رُکا۔ پیچھے مُڑ کر دیکھنے کی ہمت نہیں ہوئی۔ اُس کے رُکتے ہی آواز بھی غائب ہوگئی۔

اُس نے جیسے ہی قدم آگے بڑھائے تو آواز پھر آنے لگی۔ "چُھن چُھن۔۔۔۔ چُھن۔۔۔۔"

ایک خوف کی لہر اُس کے سارے جسم میں دوڑ گئی۔ اُس نے تیز چلنے کی کوشش کی تو آواز بھی اُونچی ہوگئی۔

شبیر نے ڈرتے ڈرتے پیچھے مُڑ کر دیکھا۔ دور دور تک کوئی نہیں تھا۔ "چُھن۔۔۔۔ چُھن۔۔۔۔" کی آواز بھی تھم چکی تھی۔ خوف کی ایک لہر شبیر کے سارے جسم میں دوڑ گئی۔ اُسے ایک دم ہی تھوڑی دیر پہلے کی سُنی ہوئی کہانی یاد آگئی۔

وہ اپنے دوست سلیم کے گھر گیا تھا۔ وہاں پہ کالج کے دو دوسرے دوست رفیق اور مومن بھی آئے ہوئے تھے۔ اس بات پہ بحث شروع ہوگئی کہ چڑیل یا پُھل پیری کا وجود ہوتا ہے یا نہیں؟ شبیر کا تو اُن کے

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

وجود پہ کوئی یقین نہیں تھا۔ اُس نے کبھی بھی اُن کی نہ تو کوئی کہانی سُنی تھی اور نہ ہی پڑھی تھی اور اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ اُسے پڑھنے کا شوق ہی نہیں تھا۔

سلیم سمیت دوسرے دوستوں کو اس بات کا یقین تھا کہ جن، بھوت و پریت اور چڑیلوں کا وجود ہوتا ہے۔ شبیر نے اُن کا مذاق اُڑایا تھا۔

رفیق نے اُس کی بات کا بُرا منایا تھا اور اپنے چچا کا واقعہ بھی سُنایا تھا کہ کیسے وہ ایک چھَل پیری کے قبضے میں آتے آتے رہ گئے تھے۔ اُس نے بتایا۔

"چچا فضل ایک دن شہر سے گاؤں آ رہے تھے کہ راستے میں اُنہیں دیر ہو گئی اور رات پڑ گئی۔ راستے کی طوالت کو کم کرنے کے لیے، اُنہوں نے قبرستان کے راستے کو چُنا۔ وہیں اُن کی مُلاقات، شادی کے جوڑے میں ملبوس ایک عورت سے ہوئی جو کہ رو رہی تھی اور مدد مانگ رہی تھی۔ چچا کو اُس پہ ترس آ گیا۔ وہ اُسے قریبی گاؤں تک پہنچانے پہ رضامند ہو گئے۔ اُنہیں ڈر تھا کہ رات کے اس پہر زیور سے لدی ہوئی اُس عورت کو تنہا دیکھ کر کوئی ڈاکو یا لٹیرا اُسے لوٹ سکتا ہے۔ وہ عورت خاموشی سے اُن کے ساتھ چل پڑی۔ اُس کے پاؤں میں پڑی پائل کی 'چھُن ۔۔۔ چھُن ۔۔۔' کی آواز سے اُنہیں ایک عجیب سا احساس ہو رہا تھا۔ غیر ارادی طور پہ اُن کی نظر اُس کے پیروں پہ پڑی تو خوف سے اُن کی حالت پتلی ہو گئی۔ وہ چھَل پیری تھی۔ اُس کے پیروں کی ایڑیاں سامنے کی طرف تھیں اور پنجے پیچھے کی جانب مُڑے ہوئے تھے۔ اُنہوں نے ایک نظر اُس عورت پہ ڈالی تو اُس کے ہونٹوں پہ سفاک مُسکراہٹ تھی۔ چچا پھر بھاگے ہیں تو پیچھے مُڑ کر نہیں دیکھا۔ چھَل پیری نے اُن کا باقاعدہ تعاقب کیا۔ وہ سر توڑ کوشش کے بعد گاؤں میں پہنچے اور جیسے ہی گاؤں کی مسجد کے قریب پہنچے تو وہ چھَل پیری غائب ہو گئی۔ وہ سارے راستے اُنہیں دھمکاتی آئی تھی اور ڈر کے مارے اُن کی حالت بُری تھی۔ چچا کو اُسی رات ہی بخار نے آ لیا اور پھر کئی دن تک وہ اپنے ہوش و حواس میں نہیں تھے۔ اس واقعے کے بعد شام کے وقت اکیلے کہیں جانے سے اُنہوں نے توبہ کر لی۔"

رفیق کی کہانی نے سب کے دلوں پہ اثر کیا تھا اور کئی لمحوں تک تو کوئی بول ہی نہ سکا تھا۔ شبیر کی حالت بھی اُن سے مُختلف نہ تھی اور پھر اُس نے اُن کا مذاق اُڑانے کی کوشش نہ کی تھی۔ اُسے بھی سلیم کے گھر سے نکلتے ہوئے دیر ہو گئی تھی اور پھر بارش نے مزید دیر کروا دی تھی۔

"تو کیا اُس کے پیچھے کوئی چھَل پیری ہے؟" اس خیال کا آنا تھا کہ ڈر و خوف سے اُس کا رنگ زرد ہو گیا۔ جسم پہ کپکپی طاری ہو گئی۔ دل زور زور سے دھڑکنے لگا اور ماتھے پہ پسینہ پھوٹ پڑا۔

"مجھے جلدی سے گھر پہنچنا چاہیے۔" یہ سوچ کر وہ دوڑ پڑا۔

"چھُن چھُن ۔۔۔ چھُن ۔۔ چھُن ۔۔۔"

کی آواز نے جیسے ہی اُس کا تعاقب کیا تو ڈر کے مارے اُس کی گھگی بندھ گئی۔ وہ تیزی سے دوڑنے لگا۔

"چھُن ۔۔۔ چھُن ۔۔۔ چھُن ۔۔۔"

کی آواز مزید بُلند ہو گئی۔ شبیر نے آؤ دیکھا نہ تاؤ، بس بنا آس پاس دیکھے، سیدھا دوڑتا چلا گیا۔

اچانک ہی کار کے تیز بریکوں کی آواز نے اُسے بوکھلا دیا۔

"سڑک کے بیچ بھاگ رہے ہو۔ کیا مرنے کا ارادہ ہے؟" کار میں بیٹھا ایک ادھیڑ عُمر کا شخص اُس سے پُوچھ رہا تھا۔ خوف کے مارے شبیر کو تو کچھ سُجھائی ہی نہیں دے رہا تھا۔ اُس آدمی کے یاد دلانے پہ اُسے احساس ہوا کہ وہ بیچ سڑک کے بھاگ رہا تھا۔ وہ معذرت بھی نہ کر سکا اور گاڑی والا آدمی آگے نکلتا چلا گیا۔

اُس نے ڈرتے ڈرتے آس پاس کے ماحول پہ نظر دوڑائی۔ دور دور تک کوئی نہ تھا۔ اُسے اس بات کی خوشی ہوئی کہ اندھا دُھند بھاگنے کے باوجود وہ راستے سے نہیں بھٹکا تھا۔ بارش اور بجلی کے جانے کی وجہ سے ہر سُو اندھیرے کی چادر سی تن گئی تھی۔ سڑک پہ کوئی خاص چہل پہل نہ تھی۔ وہ اپنے گھر کے قریب تھا۔ عام حالات میں بھی یہاں لوگوں کی زیادہ آمد و رفت نہ ہوتی تھی کیونکہ وہ ایک نئی کالونی تھی اور ابھی پبلک ٹرانسپورٹ شروع نہیں ہوئی تھی۔ اسی لیے اُسے سلیم کے گھر سے پیدل ہی آنا پڑا تھا۔

"اگر میرے پیچھے چھَل پیری ہے تو وہ نظر کیوں نہیں آ رہی؟ شاید یہ میرا وہم ہے۔" اُس نے خود کو تسلی دینا چاہی۔ "ویسے بھی گھر اب زیادہ دُور نہیں۔" وہ آہستہ آہستہ چلنے لگا اور "چھُن چھُن ۔۔۔ چھُن چھُن ۔۔۔" کی مدھم آواز نے اُس کا پیچھا کیا۔

"یا اللہ! مدد کرنا۔ مجھے چھَل پیری سے بچانا۔" وہ دل ہی دل میں اللہ کو یاد کرتا ہوا دوڑنے لگا۔ ساتھ ہی ساتھ قرآنی آیات کا ورد بھی شُروع ہو گیا۔

"چھُن چھُن ۔۔۔ چھُن چھُن ۔۔۔ چھُن چھُن ۔۔۔" کی آواز اُس کا تعاقب اب زیادہ زور شور سے کر رہی تھی۔ خوف سے اُس کا دل کانپ رہا تھا مگر اُس نے نہ تو پیچھے مُڑ کر دیکھنے کی غلطی کی اور نہ ہی اپنی رفتار میں کمی کی۔ جیسے ہی وہ اپنے گھر والی سڑک پہ پہنچا تو اُس کی ہمت جوان ہو گئی۔ وہ اور تیزی سے دوڑنے لگا۔ "چھُن چھُن ۔۔۔ چھُن چھُن ۔۔۔" کا ڈر بھی جیسے ذہن سے نکل ہی گیا تھا۔

وہ جیسے ہی گھر کے کھلے ہوئے گیٹ سے اندر داخل ہوا تو بے دھیانی میں ایک طرف رکھے ہوئے ایک بڑے گملے سے ٹکرا کر زمین پہ گر گیا۔ اسی لمحے بجلی آ گئی۔ "چھُن چھُن ۔۔۔" کی آواز کے ساتھ ہی اُس کی نظر کے سامنے ایک عجیب سا منظر تھا۔ اُس کی قمیض کی سامنے والی جیب میں رکھے ہوئے کئی سکے زمین پہ

itsurdu.blogspot.com
itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

لڑھک گئے۔ اُس کی پینٹ کی جیب میں بھی کچھ سکے رکھے ہوئے تھے۔ دو تین باہر نکل پڑے تھے۔ ''چھن چھن ...... چھن ......'' کا راز حل ہو گیا تھا۔

شبیر کو دوسرے ملکوں کے سکے جمع کرنے کا شوق تھا۔ سلیم سے اُس کی دوستی کی وجہ بھی یہی تھی۔ آج اُس نے سلیم سے تبادلے میں کچھ نئے سکے لیے تھے اور اپنی قمیض اور پینٹ کی جیب میں ڈال لیے تھے۔ اُسے خود سے ندامت محسوس ہونے لگی کہ وہ چھلّ پیری کے خوف میں مبتلا ہو گیا تھا جبکہ سکوں کے آپس میں ٹکرانے سے پیدا ہونے والی آواز ''چھن چھن'' کا تاثر پیدا کر رہی تھی۔ اُسے یقین تھا کہ شاید عام حالات میں سکوں کی آپس میں ٹکرانے کی آواز کچھ اور ہوتی ہو گی مگر چونکہ وہ خوفزدہ تھا اور ذہن پہ رفیق کے چچا کی کہانی بھی سوار تھی، اس لیے اُسے ایسا ہی لگ رہا تھا کہ جیسے چھلّ پیری اُس کا پیچھا کر رہی ہو اور اُسکے پیچھے کی طرف مُڑے ہوئے پاؤں میں پڑی پائل کی 'چھن چھن' اُس کے تعاقب میں ہو۔

وہ زمین سے اُٹھا۔ سارے سکے جمع کیے اور دوبارہ انہیں جیب میں ڈالا۔ اُس کی ٹانگ پہ چوٹ لگی تھی اور وہ لنگڑا کر چل رہا تھا۔ گھر میں داخل ہوتے ہوئے اُسے اپنی نانی اماں کی بات یاد آ گئی۔ وہ کہا کرتی تھیں کہ ''بیٹا! مغرب سے پہلے گھر لوٹ آیا کرو۔ شام کے وقت ہوائی مخلوق باہر نکل آتی ہے۔ اُن کے شر سے بچنے کے لیے قرانی آیات پڑھنا چاہیے اور گھر جلدی آنا چاہیے۔''

''نانی اماں! آپ ٹھیک کہتی ہیں کہ گھر جلدی آ جانا چاہیے۔ میں آئندہ اِس بات کا خیال رکھوں گا اور آپ کی باتوں کو مذاق میں نہیں اُڑاؤں گا۔ ہوائی مخلوق کے ساتھ ساتھ انسان بھی شیطان کا گماشتہ بنا، بُرے اعمال کا شکار ہو جاتا ہے۔'' اُسے وہ بدمعاش آدمی یاد آ گیا جو اُس کا بٹوا لے اُڑا تھا۔ اُس نے خود سے یہ عہد کیا کہ وہ اب گھر وقت پہ آ جایا کرے گا۔ پھر وہ اپنے گھر کے اندر داخل ہوا۔ ''چھن چھن ...... چھن ......'' اُس کی جیب میں پڑے سکے آپس میں ٹکرائے، وہ مُسکرایا اور اپنی جیب کو تھپتھپایا۔ اب وہ خوفزدہ نہیں تھا۔

حُسن افزا ہیر آئل
Husn Afzai HairOil
آپ کے بال بھی خشکی سکری سے پاک لمبے گھنے سیاہ چمکدار ہو سکتے ہیں: کیسے؟
رابطہ کریں
0322-3816602

نیک بات

(حضور اکرم ﷺ نے فرمایا۔ جو اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہو اُس کو چاہیے کہ نیک بات کہے یا چپ رہے)

بات کرو تو اچھی کرو
ورنہ تم خاموش رہو
بات بُری کرنا نہ کبھی
کرنا ہمیشہ بات بھلی
گندی بات سے دُور رہو
اچھوں میں تم بیٹھو اُٹھو
بولنے سے پہلے سوچو
بات ہمیشہ واضح ہو
پیارے نبیؐ نے فرمایا
جس نے زباں پر قابو رکھا
ضیاؔ وہ عزت پائے گا
خُلدِ بریں میں جائے گا

ضیاء الحسن ضیا

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

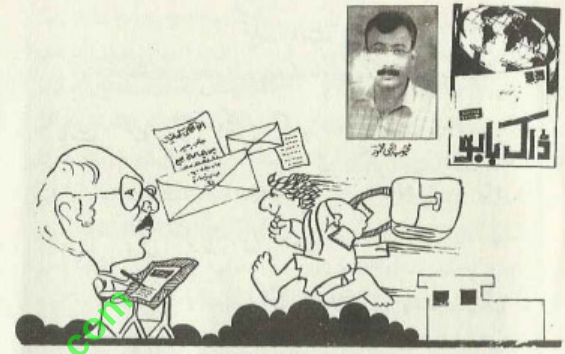

☆**رضیہ خانم، سیالکوٹ**: ماہ مئی کا خوفناک نمبر واقعی خوفناک تھا...... اس کا مطالعہ کرنے سے پہلے اپنے ذہن کو خوفناک و ڈراؤنی روحوں و بلاؤں کا سامنا کرنے کے لیے تیار کر لیجیے گا...... تاکہ خدانخواستہ! خوف و دہشت کی وجہ سے کسی کمزور دل کا ہارٹ فیل نہ ہو جائے! اس کے بعد استغفر اللہ کا ورد کریں اور حمد باری تعالیٰ کا مطالعہ...... پھر اللہ تعالیٰ سے اپنی خطاؤں کی معافی مانگتے ہوئے یہ کہیں:

تتلیوں کے لئے رنگ رنگ میں تُو
سارے پھولوں کے رنگ رنگ میں تُو
تو نے بخشی ہے زندگی سب کو
دی ہے توفیق بندگی سب کو......!

یہ پہلی تحریر ہے "شیطان" عباد علی۔ اس کہانی کا جیسا نام ہے "شیطان" نے ویسے ہی شیطانوں والے کارنامے انجام دیے گئے...... قدم قدم پر "شیطان"۔ شیطانی و ابلیسی افعال کی کامیابیاں......! آخر میں گناہ گار انسان خود ہی کہتا ہے: شیطان کے خبیث چیلو! یاد رکھو اللہ کی رحمت میں کوئی کمی نہیں ہے...... رحمت کے دریا میں میرے گناہ دُھل جائیں گے۔ اللہ کی دی ہوئی ایمانی قوت میرے دل میں واپس آ گئی ہے آخر شیطان ہار گیا۔

"وہ سیاہ رات" یاسمین حفیظ...... سیاہ و تنہا راتیں۔ وہ بھی کسی اُجاڑ جگہ و جنگلوں میں خوفناک ہی ہوتی ہیں......!

ایسے میں قرآنی آیات اور آیت الکرسی کا ورد کیا جائے...... تو...... سیاہ راتیں صبح روشن بن جاتی ہیں......!

جن اور انسان۔ نازیہ رمضان: یہ تحریر بہت اچھی و قابل تعریف ہے۔ اس میں ہمارے معاشرے و انسانوں کے کارناموں کا ایسا آئینہ دکھایا گیا ہے۔ جن کو دیکھ کر ایک منا سا جن بھی دہشت زدہ ہو جاتا ہے...... کیا یہ انسانوں کی دنیا ہے؟ جہاں جرائم ہی جرائم دکھائی دیتے ہیں......! بے چارہ جن کہتا ہے کہ ان انسانوں کی آزاد فضا سے تو بہتر ہے کہ میں بوتل میں بند رہ کر زندگی گزار لوں......؟ یہ تحریر بہت عمدہ تھی۔

"وہ سب کیا تھا" علی رضا: یہ دو جادوگر چھپکلیوں کی کہانی ہے اور کہانی کا مقصد یہ ہے کہ خواہ مخواہ ویران و اُجاڑ بوسیدہ حویلیوں میں جا کر کسی بے زبان شے کو تنگ نہیں کرنا چاہیے۔ کیا معلوم۔؟ اس بے زبان شے کو تنگ کرنے کی کیا سزا ملے۔؟ "خوفناک بونا" سلمان غزالی نے "خوفناک بونا" کا حلیہ بڑا خوفناک بیان کیا ہے...... مگر...... خدا کی قدرت کہ "خوفناک بونا" کا دل خوفناک نہیں...... اس کا دل کسی خوب صورت انسان سے بھی زیادہ خوب صورت تھا۔ اس کے دل میں دوسرے انسانوں کے لیے سراپا ہمدردی بھلائی اور رحمدلی کے جذبات تھے۔ ضروری نہیں کہ ہر بدصورت اور خوفناک دکھائی دینے والی چیز خطرناک اور نقصان دہ ہو جیسے ہر چمکنے والی چیز سونا نہیں ہوتی......!! "خوفناک بونا" کا باطن بہت خوب صورت اور قابل تقلید تھا......! "جہانِ حیرت: نوشاد عادل۔ دس افراد کی ایک ٹیم کسی صدیوں پرانے شہر "بارگی" کی تلاش میں روانہ ہوتی ہے۔ اسی سلسلے میں عادل بھائی قارئین کو جنگلوں میں بڑے بڑے چھپکلوں کے نظارے کروا رہے تھے۔ پھر ان چھپکلوں سے مقابلے! آخر میں ان دس افراد میں بھی خود غرضی اور لالچ کی وجہ سے اتفاق ختم ہو جاتا ہے...... اور ایک ساتھی تنویر زندہ و سلامت واپس اپنے [illegible] کے پاس پہنچ پاتا ہے۔ "مردوں کا شکار" غلام لدین ترک: آپ سوچیں گے کبھی کسی نے مردوں کا بھی شکار کیا ہے؟...... فی زمانہ ہر چیز ممکن ہے۔ یہ تحریر بے انتہا ہولناک ہے۔ سچ سچ دل ہلا دینے والی ہے...... لیکن جب اس کا انجام پڑھتے ہیں۔ وسیم و فیصل جج کے سامنے بولتے ہیں:

"جج صاحب! ہم نے تو صرف مردوں کا شکار کیا ہے۔ مگر یہاں تو لوگ زندوں کو شکار کر رہے ہیں...... ملاوٹ، رشوت، سفارش، خودکش حملے، یہ سب زندہ لوگوں کا قتل ہے......! آخر میں خوف کی بجائے وسیم و فیصل سے ہمدردی ہو جاتی ہے۔" "تیرہواں مسافر" ڈاکٹر عمران مشتاق اس کہانی کو تحریر کرنے میں ڈاکٹر صاحب نے جی بھر کر اپنی ذہانت کا استعمال کیا ہے اور "تیرہواں مسافر" کے ذریعے وارننگ دی ہے کہ کبھی بغیر ٹکٹ سفر کرنے کی غلطی نہ کریں...... ورنہ...... ورنہ...... کسی انجان سی آفت سے پکڑے جاؤ گے! بہت خوب......!

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

''آخری خواہش' صداقت حسین: یہ کہانی بڑی سبق آموز و نصیحت آموز ہے کہ انسان دولت کے لالچ میں کیا کچھ کھو دیتا ہے...... اور...... رہتا۔ پھر بھی خالی ہاتھ......!'' جن کا انتقام' صباء احمد: آپ کی تحریر کا جن بڑا ضدی نکلا ہے۔ اس نے سارہ سے انتقام لے کر چھوڑا...... آہ! سارہ کو اپنوں سے جدا کر دیا۔ خوفناک رات' خوف کی رات' وہ اجنبی' خوف کا گڑھ' پراسرار دنیا...... ان سب تحریروں میں ایسا خوف و دہشت ہے کہ...... جیسے رات کو کہیں اندھیرے میں آتے جاتے پیچھے سے کوئی غیبی آواز سنائی دے...... یا...... کوئی سایہ دکھائی دیا...... مگر...... یہ معلوم نہیں ہوتا کہ یہ کیسا سایہ ہے؟...... اور...... انسان ڈر جاتا ہے۔ ایسے مشکل وقت میں قرآن شریف کی سورتیں جو یاد ہوں اور آیت الکرسی کا ورد کرنا چاہیے۔ خدا کے کلام کے آگے ہر خطرہ دور ہو جاتا ہے۔ ویسے بھی آج کل جو ہمارے ملک کے حالات ہیں...... گھر سے نکلتے وقت آیت الکرسی تو ضرور پڑھ لینی چاہیے کہ خدائے بزرگ و برتر اپنے حفظ و امان میں رکھے......!'' قلمی خبرنامہ' اپنی آن بان اور دلچسپیوں کے ساتھ جگمگ جگمگ کر رہا تھا...... پھر...... ایسا لگا کہ اس بار' ڈاک بابو' کی محفل کی رونقیں واپس آنا شروع ہو گئی ہیں۔ سبھی خطوط بہت اچھے تھے۔ ہر خط اس محفل کا چمکتا ستارہ لگ رہا تھا۔ سائرہ غفار' اسامہ احمد اور صداقت حسین کے تبصرے خاصے جاندار تھے۔ صباء! تم اس بار محفل سے کیوں غائب......؟ قمر ناز' سائرہ غفار' اسامہ احمد اور صداقت حسین آپ دوستوں کا بے حد شکریہ کہ آپ میری بہن رافعہ مرحومہ کے دکھ و غم میں میرے ساتھ رہے۔ آپ سب کے چند الفاظ سے مجھے اتنا حوصلہ ہوا کہ میں اپنے اس ناقابل برداشت دکھ میں تنہا نہیں...... میرے اور دوست و ساتھی بھی میرے شریک غم ہیں۔ آپ دوستوں کے خلوص و محبت کے لیے بے حد شکریہ! صداقت بھائی آپ کا شعر بہت اچھا لگا۔

بس اٹھ کے چل دیے چپ چاپ' کچھ کہا نہ سنا
کوئی طریقہ ہے یہ اس طرح بچھڑتے ہیں......!

واقعی رافعہ چپ چاپ...... خاموشی میں جدا ہوئی ہے......! بس ہم تو اتنا کہہ سکتے ہیں۔

وہ اک شخص کیا گیا
میری دنیا سمیٹ کر لے گیا

اسامہ احمد' کراچی: خوفناک نمبر اپنی تمام تر خوفناکیوں کے ساتھ 28 اپریل کو ہی مل گیا۔ جو کہ ایک خوش آئند بات ہے۔ سرورق اتنا خوفناک نہیں تھا جتنا اسے ہونا چاہیے تھا۔ فہرست دیکھ لینے کے بعد اداریے پر آئے پھر حمد و نعت سے مستفید ہونے کے بعد خوفناک کہانیوں تک پہنچ گئے۔ خوفناک کہانیوں میں چند ایک ہی

ہمارے معیار پر پوری اتر سکیں۔ جن میں ''شیطان'' عباد علی سحر ناز۔ ''جہان حیرت'' نوشاد عادل۔ ''تیرھواں مسافر'' ڈاکٹر عمران مشتاق اور ''وہ سب کیا تھا'' علی رضا شامل ہیں۔ ''مُردوں کا شکار'' غلام محی الدین ترک کی بھی کافی خوفناک کہانی تھی۔ باقی کہانیاں بھی خوب تھیں لیکن انہیں خوفناک نہیں کہا جا سکتا۔ نہ جانے انوکھی کہانیاں کی انفرادیت کہاں غائب ہو گئی ہے۔ جو انفرادیت ہمیں چند سال پہلے نظر آتی تھی اس کا تو اب نام و نشان بھی نہیں ہے۔ محمد عرفان رامے اور سید سہیل اختر ہاشمی کی ایک بھی انوکھی و اچھوتی تحریر پڑھنے کو نہیں مل رہی۔ ان دونوں حضرات سے ہماری گزارش ہے کہ اپنی تحریروں سے انوکھی کہانیاں کو چار نہیں بلکہ آٹھ چاند لگائیں۔ مدیر صاحب سے بھی ہماری چند گزارشات ہیں کہ سرورق پہلے کی طرح انوکھے و اچھوتے بنائے جائیں۔ سائنسی اور جاسوسی کہانیاں بھی ہر ماہ شائع کی جائیں۔ اس کے ساتھ ساتھ بہترین کہانیوں پر رائٹرز کو انعام سے نوازا جائے۔ ہمیں امید ہے کہ ادارہ ہماری ان تجاویز پر غور کرے گا۔ ہمیں آپ سے یہ شکایت بھی ہے کہ ہمارا فروری کا انعام جو کہ گو گو آزمائش میں نکلا تھا ہمیں ابھی تک نہیں ملا۔

(آپ کو نوشاد عادل کی کتاب ''جزیرے کے قیدی'' جو ملی ہے وہ کیا ہے؟)

محمد ذیشان خالد' واہ کینٹ: مئی کا خوفناک نمبر ملا۔ پڑھ کر مزہ آیا۔ ڈاکٹر عمران مشتاق' نوشاد عادل' غلام محی الدین ترک' سلمان غزالی اور صداقت حسین ساجد کی تحریریں لاجواب و بے مثال ثابت ہوئیں۔

عمیمہ رفیع' کراچی: خوفناک نمبر کم ڈراؤنے سرورق کے ساتھ ملا۔ اسکول کی چھٹیوں سے قبل آپ نے تعطیلات کا لطف دوبالا کر دیا۔ نوشاد عادل کی جہان حیرت' ہمیں حیرتوں کے جہانوں کی سیر کراتی رہی اور ہم اسے پڑھ کر بے حد لطف اندوز ہوئے۔ اس کے بعد ڈاکٹر عمران مشتاق کی طویل تحریر نے ہمیں اپنے حصار میں رکھا اور اور کہانی میں جگہ جگہ سسپنس اور پراسراریت کے لمحات آئے اور اس تحریر نے کہیں بور نہیں ہونے دیا۔ اس کے بعد صداقت حسین ساجد کی تحریر عمدہ رہی جس میں بے جا خواہشات کا انجام بتایا گیا ہے۔ غلام محی الدین ترک نے ایک حقیقی واقعے کو کہانی کا روپ دیا اور اس میں کامیاب رہے۔ ساتھ ساتھ ہمارے ملک کے موجودہ حالات اور مسائل کو بھی بیان کیا۔ بہت عمدہ غلام محی الدین' بہت عمدہ۔ باقی تمام تحریریں بھی اچھی رہیں۔ ہمیں ''خوفناک کہانیاں'' والی کتاب کس طرح مل سکتی ہے۔ (عمیمہ! آپ بذریعہ کوریئر کتاب منگوا سکتی ہیں)۔

مخدوم عماد حسین' کراچی: مئی 2011ء کا خاص نمبر میرے سامنے ہے۔ اس مرتبہ انوکھی

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

کہانیاں نے اپنی تاریخ کا سب سے ضخیم نمبر شائع کیا ہے۔اس میں تمام کی تمام کہانیاں شاندار تھیں۔اتنا عمدہ نمبر نکالنے پر مبارک باد۔

اقراء تنویر'واہ کینٹ: خوف ناک نمبر جلد مل گیا۔سرورق پسند آیا۔اس کو مزید خوفناک بنایا جاسکتا تھا۔حمد و نعت کے بعد شیطان پڑھی۔یہ ایک بہترین کہانی تھی۔اس کے بعد یاسمین حفیظ کی سیاہ رات عمدہ رہی۔انسان اور جن ایک نیم مزاحیہ تحریر ثابت ہوئی جبکہ علی رضا کی وہ سب کیا تھا ایک پُر اسرار کہانی تھی۔جہان حیرت' تیرھواں مسافر'آخری خواہش اور مُردوں کا شکار سب سے بہترین کہانیاں تھیں' مجموعی طور پر خوفناک نمبر بہترین رہا۔

صداقت حسین ساجد شور کوٹ: خدا خدا کر کے مئی سے چار دن پہلے ہی'انوکھی کہانیاں' کا 'خوف ناک نمبر' مل گیا۔ہم اتنے بے چین تھے کہ گھر پہنچنے کا بھی انتظار نہ کیا۔وہیں سے پڑھنے کا آغاز کر دیا۔شاید آپ کو یقین نہ آئے، لیکن یہ حقیقت ہے کہ ہم سائیکل بھی چلا رہے تھے اور ساتھ ساتھ رسالہ بھی پڑھ رہے تھے۔اللہ تعالیٰ کا کرم شامل حال تھا کہ ہم خیر خیریت سے گھر پہنچ گئے۔ورنہ ہم نے اپنی طرف سے کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔سرورق اچھا خاصا خوف ناک لگ رہا تھا۔'خوف ناک نمبر' کے الفاظ سے بہتے لہو نے سنسنی سی پورے جسم میں دوڑا دی۔آپ ہماری ہمت کی داد دیں گے۔اس وقت گھڑی رات کا ایک بجا رہی ہے اور ہم تبصرہ لکھ رہے ہیں......وہ بھی'خوف ناک نمبر' پر۔اداراتی صفحے پر ای میل کا پتا دے کر آپ نے بہت اچھا کیا ہے۔ہم نے ابھی سے انتظار شروع کر دیا ہے کہ کب 'دیوزاد' شائع ہو اور کب ہماری لائبریری کی زینت بنے۔اس ناولٹ کو شائع ہوئے کافی عرصہ بیت گیا ہے،لیکن ہم آج بھی اس ناولٹ کے ٹرانس سے خود کو نہیں نکال سکے۔'فہرست' اس بار عام شمارے جتنی تھی......اس سے ہم غلط فہمی کا شکار ہو گئے کہ یہ عام سا خاص نمبر ہے،لیکن جب ہم نے مطالعہ کرنا شروع کیا،تو پتا چلا کہ یہ ہماری خام خیالی تھی۔خاص نمبر ہماری توقعات سے بڑھ کر بہترین ثابت ہوا تھا اور یہی تو 'انوکھی کہانیاں' کا طریقہ'واردات' ہے۔اس بار'اداریہ' ہمیں سب سے زیادہ پسند آیا۔پسند کیوں نہ آتا...... ہمارا نام جو شامل تھا۔حمد و نعت سے لطف اندوز ہوتے ہوئے ہم نے 'شیطان' سے پنجہ آزمائی کی۔اللہ تعالیٰ غفور الرحیم ہے......انسان کے گناہ بے شک سمندر کی جھاگ سے بھی زیادہ ہوں......ریگستان کی ریت سے بھی زیادہ ہوں،اگر ایک بار بھی وہ سچے دل سے اس قادر مطلق سے رجوع کرے،تو وہ فوراً ہی اس کے گناہ معاف فرما دیتا ہے اور انسان اس وقت معصوم اور پاک یوں ہوتا ہے جیسے ابھی اپنی ماں کے پیٹ میں سے جنم لے کر نکلا ہو۔

یاسمین حفیظ کی خوف ناک کہانی' وہ سیاہ رات' بہت زبردست کہانی تھی۔پیغمبر اسلام ﷺ کا فرمان عظیم ہے کہ:'حسد نیکیوں کو ایسے کھا جاتا ہے...... جیسے آگ لکڑیوں کو کھا جاتی ہے۔سب مسئلے ٹھنڈے دماغ سے حل کیے جاسکتے ہیں......گرم دماغی سے کچھ حاصل نہیں ہوتا...... بلکہ اپنا ہی نقصان ہوتا ہے۔'جانے ان کی نئی تحریریں کب پڑھنے کو ملیں گی۔'جن اور انسان' نازیہ رمضان اچھی کہانی تھی۔اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمارے وطن عزیز کو امن و سکون کا گہوارہ بنا دے۔علی رضا کی' وہ سب کیا تھا' ایک زبردست کہانی تھی۔اس سے پہلے بھی ہمیں چھپکلیوں سے خوف سا محسوس ہوتا تھا،مگر جب سے یہ کہانی پڑھی ہے......تب سے خوف کی نوعیت اور زیادہ ہو گئی ہے۔ویسے ہم نے پڑھا ہے کہ چھپکلی کو مارنا ثواب ہے...... کیوں کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جب آگ میں ڈالا گیا تھا،تو یہ چھپکلی پھونکیں مار مار کر آگ بھڑکانے کی کوشش کر رہی تھی۔سلمان غزالی کا' وہ خوف ناک بونا' بہترین کہانی تھی۔ضروری نہیں کہ جو بندہ بد صورت ہو......اس کے کام بھی برے ہوں۔صورت اور سیرت کا آپس میں کوئی تعلق نہیں ہے۔حضرت بلال حبشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ان کی رنگت کیسی تھی،لیکن جب پیغمبر اسلام ﷺ معراج پر جاتے ہیں،تو آپ ﷺ کو وہاں جوتیوں کی آواز سنائی دیتی ہیں۔دریافت کرنے پر پتا چلتا ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ مکہ کی گلیوں میں چل رہے ہیں۔اہمیت ظاہری خوب صورتی کی نہیں......بلکہ اندر کی خوب صورتی کی ہے۔نوشاد عادل! ہمارے خیال وطن عزیز میں بچوں کے اردو ادب میں خوف ناک ادب کے بانی ہیں۔ان کی تحریر'جہان حیرت' کی کیا بات ہے۔ویسے لالچ کا انجام اچھا نہیں ہوتا۔اسلوب بیان زبردست تھا۔کہانی میں مناظر ایسے بیان کیے گئے تھے......لگتا تھا کہ ہم بھی اس منظر کا حصہ ہیں یا سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔بہت زبردست کہانی تھی۔غلام محی الدین ترک کی پہلی خوف ناک کہانی 'مُردوں کا شکار' ایک حقیقی واقعے سے متاثر ہو کر لکھی گئی تھی۔جو بھکر میں پیش آیا تھا......اس واقعے پر وہاں کے لوگ ہی روشنی ڈال سکتے ہیں کہ آیا یہ خبر درست ہے یا نہیں۔اخبارات تو زیادہ تر لوگوں میں سنسنی پھیلانے کے لیے الٹی سیدھی خبریں لگا دیتے ہیں۔ہمیں ایسے لوگوں کو معاشرے میں مناسب مقام دینا چاہیے۔ورنہ اس کے خطرناک نتائج بھی نکل سکتے ہیں۔محمد شعیب کی' وہ خوف ناک رات' اچھی کہانی تھی،جو مکافات عمل کی تصویر تھی۔پیغمبر اسلام ﷺ کا فرمان عظیم ہے کہ وہ گھر سب سے بہترین ہے،جہاں یتیم بچے کے ساتھ اچھا سلوک کیا جاتا ہو۔ظلم دیکھ کر خاموشی اختیار کرنا بھی ظلم میں حصے داری کے برابر ہے۔سید صفدر رضا رضوی کا' کھاڑی کا مگرمچھ' اچھی کہانی تھی۔کچھ فقرے آگے پیچھے ہونے سے کچھ الجھن ہوئی ......پھر بھی کہانی اپنی جگہ زبردست تھی۔وہ

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

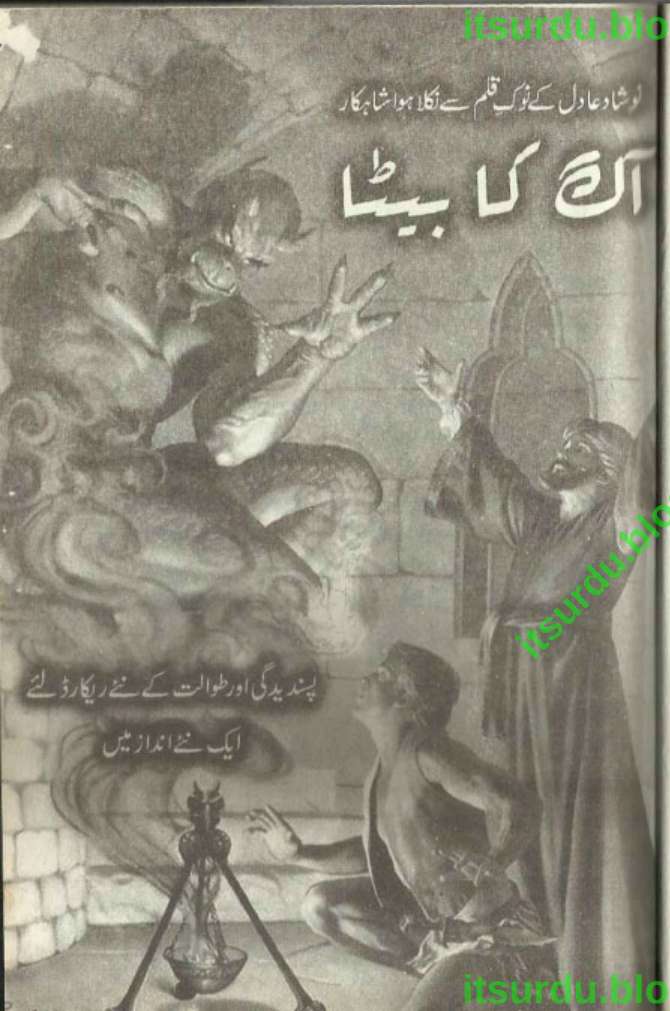

اجنبی......اور...... سسپنس سے بھرپور کہانی تھی۔ اس لیے کہتے ہیں کہ جلدی کا کام شیطان کا کام ارانا محمد شاہد کی 'خوف کی ایک رات' بھی ایسی ہی سسپنس بھری کہانی تھی۔ اصل میں خوف ہمارے اندر ہوتا ہے، جو ہمیں ہمارے تخیل کے مطابق سب کچھ بنا کر دکھاتا ہے...... حالاں کہ ہوتا کچھ بھی نہیں ہے۔ یہی دیکھ لیں کہ چھڑی کو گن بنادیا...... ٹوپیوں کو کٹے ہوئے انسانی سر بنادیا۔ تمیرا اسید کی 'پُراسرار دنیا' اچھی کاوش تھی۔ سنت طریقہ ہے کہ جب بھی ہم گھر سے باہر نکلیں، تو دعا وغیرہ پڑھ کر نکلیں...... آیت الکرسی تو ضرور پڑھیں۔ پھر اللہ تعالیٰ خود ہی اس انسان کی حفاظت کا ذمہ لے لیتا ہے۔ سید اسد علوی کا 'خوف کا گڑھ' بھی اچھی کاوش تھی...... وظیفہ بھی بتادیا جاتا...... تاکہ جب بھی کوئی ایسی صورت حال سے دوچار ہوجائے، تو وہ اپنا بچاؤ کرسکے۔ ڈاکٹر نعیم احمد ادیب 'تسخیر جنات' کے چکر میں خوب پھنسے۔ اب پتا چلا کہ یہ ہر ماہ اتنی تحریریں کیسے لکھ لیتے ہیں۔ جن ان کی مدد کرتا ہوگا۔ 'جن کا انتقام' کا بھی اچھی کاوش تھی...... اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ۔ 'آخری خواہش' کے بارے میں دوسروں کی رائے کا انتظار ہے۔ 'تیرہواں مسافر' ایک زبردست ادیب کی زبردست تحریر تھی۔ ایک طویل کہانی جسے ایک نشست میں پڑھنا بھی اپنے صبر کا امتحان تھا، لیکن کیا کرتے...... پڑھنی بھی تو تھی۔ انگریز توہمات میں الجھی قوم ہے۔ تیرہ کا ہندسہ ان کے نزدیک بہت ہی منحوس ہے...... اس لیے وہ اپنے پلازوں اور ہر قسم کی عمارتوں میں تیرہویں منزل نہیں تعمیر کرتے۔ آج کل اکثر مسلمان بھی ان بے بنیاد توہمات میں الجھے اور جکڑے ہوئے ہیں۔ سید اسد علوی کی مختصر تحریر 'ماں اور جنت' اچھی تحریر تھی۔ رضیہ خانم نے 'آخری راز' پر بہت زبردست اور جامع انداز میں تبصرہ کیا۔ 'ڈاک بابو' کی رونقیں دوبارہ لوٹنے کو ہیں...... ان شاء اللہ اسائرہ غفار جی! اگر آپ ہماری تحریر 'یکی محبت' کا مناسب سا عنوان تجویز کردیتیں، تو زیادہ مناسب رہتا۔ رضیہ خانم اور اسامہ احمد کا شکریہ! کہ آپ کو ہماری تحریر پسند آئی۔ ہمارے تبصرے کو پسند کرنے کا شکریہ! 'قلمی خبرنامہ' زبردست جا رہا ہے۔ 'یوم تکبیر' کے حوالے سے رضیہ خانم کی تحریر 'صبح نو'...... 'یوم تکبیر ۲۸ مئی' بہت زبردست تھی۔ اغیار اور 'اپنے بھی کچھ مہربان' خواہ کتنی بھی کوششیں کرتے رہیں...... ان شاء اللہ وطن عزیز تاقیامت قائم و دائم رہے گا۔ غرض یہ 'خوف ناک نمبر' ماہ نامہ 'انوکھی کہانیاں' کی شان دار روایات کی عکاسی کررہا تھا۔ ایک کمی تو محبوب بھیا کی تحریر کی تھی۔ اب اتنی بھی کیا مصروفیات کہ خاص نمبر میں بھی آپ کی تحریر پڑھنے کو نہ ملے، تو پھر کب پڑھنے کو ملے گی۔ اب تو اس خاص نمبر کو کتابی شکل میں دیکھنے کا انتظار شروع ہوگیا ہے۔ تصویر کا پہلا رخ آپ جون میں 'زمین کا فیصلہ' میں پڑھ چکے ہیں۔ اس بار تصویر کا دوسرا رخ 'نیت کا پھل' حاضر خدمت ہے۔ امید ہے پسند آئے گا۔

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

آگ کا بیٹا

نوشاد عادل

خدا کی اس وسیع زمین پر بسنے والے ہر انسان کی الگ کہانی ہے۔ انہی میں سے ایک لڑکے کی طویل داستان، جس کی دوستی ایک جن زاد سے ہوگئی۔ جہاں انسانوں کو اللہ نے اشرف المخلوقات قرار دیا ہے، وہیں جنوں کو گوناگوں صلاحیتوں سے نوازا ہے۔ انسان اور جن کی دوستی کیا ہوئی کہ ہنگامے ان کے ہم قدم ہو گئے۔ سینکڑوں صفحات پر مشتمل پسندیدگی اور طوالت کے ریکارڈ قائم کرنے کے لیے قسط وار ناول "آگ کا بیٹا" ایک نئے انداز میں......

﴿چھٹی قسط﴾

اس نے ایک جراب اتاری، یہ کافی لمبی اور لچک دار تھی۔ اس نے جلدی جلدی جراب کے سروں کو قید خانے کی لکڑیوں کے ساتھ باندھ دیا۔ اب دو لکڑیوں کے درمیان جراب بندھی ہوئی تھی اور اسے غلیل کی طرح استعمال کیا جا سکتا تھا۔ اس خود ساختہ غلیل کی بالکل سیدھ ہی میں وہ بوتل رکھی تھی، جس میں عربائیل قید تھا۔ عامر غلیل چلانے میں ماہر تھا۔ بچپن میں غلیل سے بہت نشانے بازی کرتا تھا۔ عرصہ ہوا وہ غلیل بازی ترک کر چکا تھا۔ شاید نشانہ بھی پہلے جیسا نہ رہا ہو، لیکن آج یہاں زندگی اور موت کا سوال تھا، اس لیے اسے اپنی تمام صلاحیتوں کو بروئے کار لانا تھا۔ ادھر بوڑھا پورے زور و شور سے اپنے منتر میں ڈوبا ہوا تھا۔ عامر نے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے ایک مضبوط اور قدرے بھاری پتھر کو اٹھایا اور غلیل میں چڑھا لیا۔ بوتل سامنے ہی تھی۔ جراب میں زبردست لچک تھی اور یہ پتھر کو گولی کی طرح پھینک سکتا تھا۔ عامر اپنے جسم میں ہونے والی تھرتھراہٹ پر قابو پانے کی پوری کوشش کر رہا تھا، کیونکہ اس تھرتھراہٹ سے نشانہ چوک سکتا تھا۔ اس کی گردن کی ایک نس بار بار ابھر رہی تھی۔ اس نے ہمت جواں رکھی اور ٹھیک نشانے پر پتھر چھوڑ دیا۔

عین اسی لمحے جب عامر پتھر کھینچ کر پھینک رہا تھا، بوڑھے نے گردن گھما کر اسے یہ کارروائی کرتے دیکھ لیا۔ ایک ثانیے کے ہزارویں حصے میں اس شیطان صفت بوڑھے نے بھانپ لیا کہ عامر کا مقصد کیا ہے۔ وہ بجلی کی سی تیزی سے اٹھا۔ پتھر اڑتا ہوا گولی کی طرح بوتل کی جانب بڑھ رہا تھا کہ بوڑھے کی پلپلی کھوپڑی درمیان میں آ گئی۔ ایک پٹاخے جیسی آواز ابھری۔ ساتھ ہی بوڑھے کے منہ سے ایک دل دوز چیخ نکلی۔ وہ بوتل اٹھانا چاہتا تھا، لیکن جلد بازی اور بدحواسی میں اس زاویے سے سامنے آ گیا تھا کہ پتھر اس کی کھوپڑی پر لگا تھا۔ بوڑھا چیختا ہوا گر گیا۔ وہ دونوں ہاتھوں سے تھامے ہوئے زمین پر لوٹ رہا تھا۔ عامر کا جسم سن ہو کر رہ گیا تھا۔ لگتا تھا کہ اس کے بدن سے روح نکل گئی ہو۔ اگر چاہتا تو دوسرا پتھر بھی آزما سکتا تھا، لیکن اس کے جسم سے جیسے جان نکل گئی تھی۔ وہ کچھ نہیں کر پا رہا تھا، سوائے بوڑھے کو دیکھنے کے۔ یک لخت بوڑھا اٹھ گیا۔ اس نے خوں خوار نظروں سے عامر کو گھورا، جیسے کچا ہی چبا جائے گا۔ عامر نے اسے دیکھا اور مزید ڈھے گیا۔ دہشت کے مارے عامر کا چہرہ بگڑ گیا۔ بوڑھے کا سر پھٹ گیا تھا اور سر سے خون کی دھاریں بہہ بہہ کر چہرے پر آ رہی تھیں۔ اس وجہ سے وہ حیوان لگنے لگا تھا۔

"موت آئی ہے تیری...... پاپی موت آئی ہے...... مر...... مر...... کتے کی موت مر۔ وہ موت ماروں گا کہ تیری آتما کو سورگ میں بھی شانتی نہیں ملے گی...... تو نے ابھی مول چند کی شکتی نہیں دیکھی۔ اب تجھے پتا چلے گا کہ مول چند کیا چیز ہے؟" عامر پھٹی ہوئی آنکھوں سے مول چند کی صورت میں اپنی موت کو بڑھتے دیکھتا رہا۔ مول چند نے قید خانے کی لکڑیوں کے درمیان میں سے اپنے سوکھے سڑے ہاتھ ڈال کر عامر کی گردن دبوچ لی۔ اس دبلے پتلے منحنی سے بوڑھے کے ناتواں وجود میں ہاتھی جیسی طاقت تھی۔ عامر کو ہوش تب آیا جب ہوش جانے لگے...... دم اکھڑنے لگا تھا۔ بوڑھے مول چند کے منہ سے گالیوں کی بوچھاڑ ہو رہی تھی۔ وہ پوری طاقت سے عامر کی گردن دبا رہا تھا۔ عامر باوجود کوشش کے کوئی خاص مداخلت نہیں کر پا رہا تھا۔ اس کے دماغ میں بہت سے اندھیرے یکے بعد دیگرے اترتے چلے آ رہے تھے۔ جسم دھیرے دھیرے ٹھنڈا پڑنے لگا تھا۔ چہرہ یوں سرخ ہو گیا تھا، جیسے پورے جسم کا خون چہرے میں جمع ہو گیا ہے۔ عامر کو اپنی موت صرف چند قدم پر نظر آ رہی تھی۔ عامر نے ڈوبتے ذہن کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو یاد کیا اور عین اسی وقت جب بوڑھا عامر کا قصہ تمام کرنے کے لیے زور لگا رہا تھا، وہی کالی بلی اندر آئی اور اس نے اچھل کر بوتل پر زوردار پنجہ مارا۔ چھناکے کی آواز وہاں گونج کر رہ گئی۔ ایک لمحے کے لیے بوڑھے کے ہاتھوں کی گرفت عامر کی گردن پر کم ہوئی۔ بوڑھے نے اپنی گردن کو سانپ کی طرح گھما کر دیکھنا چاہا کہ کیا ماجرا ہوا ہے تو اسے اپنے عقب میں دھواں نظر آیا۔ پھر اگلے ہی لمحے دھواں اوپر اٹھا اور عربائیل اپنے روایتی انداز میں کر جا۔ اب بوڑھے کی گردن اس کے ہاتھ میں تھی۔ پھر قید خانے اور کمرے میں ایک انتہائی خبیث قسم کی مکروہ اور دردناک چیخ گونجی۔ عامر حیران رہ گیا، کیوں کہ چیخ اس کے حلق سے تو نہیں نکلی تھی۔ اس نے محسوس کیا کہ بوڑھے کے ہاتھوں کی گرفت اس کی گردن پر سے ڈھیلی پڑ گئی ہے۔ عامر نے جھٹکے سے گردن چھڑائی۔ اسے ٹھیک سے نظر نہیں آ رہا تھا اور آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا رہا تھا۔ پھر بھی اس نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھا تو اسے خوش گوار حیرت کا جھٹکا لگا۔ اسے اپنی بصارت پر یقین نہیں آ رہا تھا۔

کمرے کے وسط میں عربائیل کھڑا تھا۔ اس کے ہاتھ بہت لمبے ہو گئے تھے۔ ان لمبے ہاتھوں نے بوڑھے کو بری طرح جکڑا ہوا تھا اور وہ بوڑھے کو زمین پر دھوبی پاٹ مار رہا تھا۔ ہر مرتبہ بوڑھے کی ہڈیوں کی آوازیں اس کی چیخ سے پہلے نکلتی تھیں۔ پھر عربائیل نے اسے دبانا شروع کر دیا۔ بوڑھے کے جسم کی تمام ہڈیاں تڑخ تڑخ کے ٹوٹ گئیں۔ اس کے منہ سے ناک سے خون نکل آیا۔ عربائیل بہت بپھر گیا تھا۔ تھوڑی سی دیر میں بوڑھا جہنم رسید ہو گیا۔ عربائیل نے تب بھی اسے نہیں چھوڑا اور اس کے مردہ جسم کو زور زور سے دباتا رہا۔

آخر عامر کو مداخلت کرنا پڑی۔ "بس کرو یار! بس کرو، مر گیا ہے یہ...... چھوڑ دو اسے۔ اب کیا اس کو جوس نکالو گے؟"

"اس منحوس کو تو میں نہیں چھوڑوں گا۔" عربائیل نے بوڑھے کے مردہ جسم کو پھر بھینچا۔

"ارے تو کیا اسے گود میں اٹھائے اٹھائے پھرو گے؟ دفع کرو اسے۔"

"اس خبیث بوڑھے نے ہماری جانیں عذاب میں ڈال دی تھیں...... اس نے دھوکے سے مجھے قابو میں کیا تھا۔ اگر میں ذرا بھی ہوشیار ہو جاتا تو یہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتا تھا۔" عربائیل نے اسے مکوڑے کی طرح جھٹک دیا۔

"یار پہلے مجھے تو یہاں سے نکالو...... باتیں پھر کر

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

لیں گے۔" عامر جلا گیا۔ عربائیل نے ہاتھ بڑھا کر وہ مضبوط اور موٹی لکڑیاں ماچس کی تیلیوں کی طرح توڑ ڈالیں۔

عامر اچھل کر باہر آ گیا۔ "اُف خدایا..... ایسا لگ رہا ہے جیسے میں بہت عرصے بعد آزاد ہوا ہوں۔" عامر اپنی گردن مسل رہا تھا۔ اس کے حواس اور سانسیں اعتدال پر آ گئی تھیں۔ جان بچنے کے خیال نے اس کی طبیعت میں ہریالی بھر دی تھی۔

دفعتاً اسے کوئی خیال آیا۔ وہ چونک پڑا "لیکن عربائیل..... تو بوتل سے کیسے آزاد ہوا تھا؟"

عربائیل جواب دینا چاہتا تھا کہ وہاں زوردار "میاؤں" کی آواز گونجی۔ عربائیل ہنسا۔ "لو جواب بھی آ گیا۔" کالی بلی کھلے ہوئے دروازے سے باہر جا رہی تھی۔ عامر نے شکر گزار نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

"ویسے یار! یہ منحوس بڈھا تھا بڑا خوف ناک..... پتا نہیں کہاں سے آ گیا تھا؟" عامر نے جھرجھری لے کر کہا۔

"یہ مجھے انسان تو نہیں لگتا۔ شاید ادھر ہی کہیں کسی مکڑی کے انڈے سے نکلا ہوگا۔" عربائیل حقارت سے منہ بنا کر بولا۔ "ویسے اس کی بات چیت سے میں نے اندازہ لگایا تھا کہ یہ کوئی ہندو سادھو تھا..... اور اس خالی گھر کو اس نے اپنے رہنے اور شیطانی عمل کا ٹھکانہ بنا رکھا تھا۔"

عامر بولا "خیر جو بھی ہوا بہتر ہی ہوا زمین سے ایک خبیث وجود ختم ہوا۔"

"میرا خیال ہے، یہ گھر بھی ختم کر دینا چاہیے۔" عربائیل پر خیال نظروں سے ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ "یہاں منحوس بڈھے کی شیطانی چیزیں بھی موجود ہیں..... کہیں کوئی اور بھولا بھٹکا مسافر یہاں آ گیا تو شاید یہ چیزیں اس کے لیے نقصان دہ ثابت ہوں۔"

"ٹھیک ہے عامر نے سر ہلایا۔ "چلو باہر نکلو"

دونوں باہر نکلے۔ تب عربائیل نے ایک ہاتھ سے اشارہ کیا۔ یک بیک پورے مکان میں آگ کے شعلے بھڑک اٹھے۔ گھوڑے باہر ہی بندھے ہوئے تھے۔ عربائیل نے جلدی سے دونوں گھوڑے کھول لیے۔ آگ کی سرخ زبان نے لکڑی کے مکان کو آناً فاناً چاٹنا شروع کر دیا تھا۔ گھوڑے تپش محسوس کر کے بدک رہے تھے۔ دونوں اپنے گھوڑوں پر سوار ہوئے اور اس منحوس جگہ سے دور ہوتے چلے گئے۔ عامر دل ہی دل میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کر رہا تھا کہ جس نے ان کی مدد کی اور شیطانی قوت کے مقابلے میں نصرت و کامرانی سے ہم کنار کیا۔

"کہو میرے ہونہار، ناخلف و ناہنجار شاگرد..... لطف آ رہا ہے میری دنیا میں؟"

عامر نے خوش گوار موڈ میں پوچھا۔

"ہاں استاد..... بے حد اچھا لگ رہا ہے تیری دنیا میں۔" عربائیل نے قافیے سے قافیہ ملایا۔

"ارے واہ جن کے بچے۔ عامر بولا۔ استاد کا مذاق اڑا رہا ہے، وہ بھی قافیہ ملا کر۔"

"استاد محترم..... آپ کو آنی چاہیے شرم..... آپ نے شاگرد کو آخر سمجھ کیا رکھا ہے۔ مجھے اردو کی خاصی شدبد ہے۔"

"اچھا اچھا بھئی مان گئے تمھیں..... اب ذرا جلدی سے کھانا ہو جائے..... بھوک کے مارے دو کے چار نظر آ رہے ہیں۔"

وہ دونوں یونہی اوٹ پٹانگ باتیں کرتے ہوئے بہت دور نکل آئے تھے۔ یہ شام کا وقت تھا۔ ہر چیز کے سا

ئے لمبے ہو رہے تھے اور اندھیرا بڑھتا جا رہا تھا۔ ایک صاف جگہ بیٹھ کر انھوں نے کھانا کھایا پھر آرام کی غرض سے بستر حاضر کر کے لیٹ گئے۔ گھوڑوں کے لیے بھی عربائیل نے بہترین چارا پیش کیا تھا۔ ایسا چارا جو گھوڑوں کے لیے چکن بروسٹ ہی ہوگا۔ گھوڑوں نے "چکن بروسٹ" دیکھ کر خوشی اور مسرت کا اظہار کیا تھا۔ اگلی صبح تڑکے ہی عامر اور عربائیل اٹھ گئے..... وفادار گھوڑے ان کے نزدیک ہی کھڑے تھے۔

صبح کی تمام ضروریات و ناشتے سے فراغت پا کر عربائیل بولا "ہاں تو استاد محترم..... اب کیا خیال ہے.....؟"

"میرا خیال ہے یہ شاگرد عزیز..... اب ہمیں اس جنگل کو خیرباد کہہ کر کسی شہری آبادی کی طرف رخ کرنا چاہیے..... یہاں جنگل میں جی گھبرا رہا ہے۔ جب کہ شہری آبادی میں جگہ جگہ پر نت نئے مناظر ہمارے منتظر ہوں گے۔"

"میں خود بھی یہی چاہتا تھا۔ بس آپ کی اجازت درکار تھی....." عربائیل اٹھتے ہوئے بولا "آپ ادھر ہی انتظار کریں۔ [illegible] کسی شہری آبادی کا پتا لگاتا ہوں....."

یہ کہہ کر عربائیل نے فضا میں قلابازی کھائی اور ایک عقاب کے روپ میں آ کر فضا میں بلند ہوتا چلا گیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ عامر نے ایک گہری سانس لی۔ اب اسے عربائیل کے کسی کمال پر حیرت نہیں ہوتی تھی۔ وہ دھیرے دھیرے ان چیزوں کا عادی ہوتا جا رہا تھا۔ چند منٹ گزرے ہوں گے کہ عربائیل دوبارہ نمودار ہوا اور فضا میں ہی لوٹ پوٹ ہو کر انسانی صورت میں آ گیا۔ اس کا چہرہ خوشی سے دمک رہا تھا۔ "اٹھ جاؤ کاہل الوجود استاد! یہاں سے ایک سڑک قریب ہی ہے....."

"واقعی یہ تو بڑی اچھی بات ہے....." عامر کھڑا ہو گیا۔

"ٹھہرو ذرا..... ان بے چارے بے زبانوں کو تو آزاد کر دوں....." عربائیل آگے بڑھا اور گھوڑوں کو کھول کر ان کی گردن پر تھپکی دی۔ "جاؤ یارو..... تم نے ہمارا اچھا ساتھ دیا جاؤ۔ اب تم آزاد ہو....."

گھوڑے ہنہناتے ہوئے ایک جانب بڑھ گئے لیکن جاتے جاتے وہ بار بار مڑ مڑ کر انھیں دیکھ رہے تھے کہ شاید وہ واپس انھیں بلانے کا اشارہ کریں اور وہ لپک کر پہنچ جائیں۔ گو کہ ان کے ساتھ بہت کم وقت گزرا تھا لیکن انھیں دونوں سے بہت انسیت ہو گئی تھی۔ واہ رے بے زبان..... تو نے وفاداری اور محبت کی حد کر دی۔ کاش انسان تجھ سے سبق حاصل کر سکتے کاش۔ آخر گھوڑے درختوں کے جھنڈ میں جا کر نظروں سے اوجھل ہو گئے۔

عامر کچھ سوچنے لگا بولا "یار عربائیل..... ہم سڑک پر جائیں گے تو خالی ہاتھ اچھا نہیں لگے گا۔ میرا مطلب ہے کچھ عجیب سا لگے گا۔ آخر مسافروں کے پاس کچھ تو سامان ہوتا ہے۔"

"ٹھیک کہتے ہو....." عربائیل نے اس کی بات سمجھ کر گردن ہلائی اور فوراً دو چمڑے کے بیگ حاضر کیے، جو بھرے ہوئے لگ رہے تھے۔

"اب ٹھیک ہے۔" عامر خوش ہو گیا۔

"اور ہمارے حلیے.....؟"

"حلیے.....؟" عامر نے چونک کر کپڑوں پر نظر ڈالی۔ دونوں کے کپڑے انتہائی گندے ہو رہے تھے۔ اتفاق کی بات ہے انھیں کپڑے تبدیل کرنے کا خیال تک نہیں رہا

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

تھا۔ "ہاں یار کپڑے تبدیل کرنا تو بہت ضروری ہے۔"

"تو یہ لو استاد......" عربائیل نے دونوں ہاتھ فضا میں بلائے ا گلے ہی لمحے ان دونوں کے جسم پر گندے کپڑوں کے بجائے نئے اور صاف ستھرے کپڑے تھے۔

"واہ یار شاگرد......تو تو کمال کا جن ہے......چلو اب جلدی سے سڑک کی جانب چلتے ہیں......" وہ فوراً روانہ ہو گئے تھے۔ دونوں بیگ کندھوں پر لٹکائے سڑک کے کنارے آ کر کھڑے ہو گئے۔

کچھ ہی انتظار کے بعد انہوں نے ایک بڑی بس آتی دیکھی۔ عامر نے اسے رکنے کا اشارہ کیا۔ بس نزدیک آ کر رک گئی۔ دونوں جلدی سے بس میں سوار ہو گئے۔ کچھ لوگ انہیں عجیب سی نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ شاید سوچ رہے تھے کہ یہ دونوں لڑکے جنگل میں کہاں سے آ رہے ہیں۔ مسافروں میں زیادہ تر لوگ آدم بے زار نظر آ رہے تھے۔ کنڈیکٹر نے انہیں ڈبل سیٹ پر بٹھا دیا۔ سفر شاید طویل تھا اس لیے بہت سے آدمی سیٹوں کی پشت سے سر ٹکائے اونگھ رہے تھے۔ کوئی اخبار پڑھ رہا تھا اور کچھ سوئی سوئی نظروں سے باہر دیکھ رہے تھے۔ کنڈیکٹر صاحب کے ہاتھ میں کھجلی ہوئی اور انہوں نے ایک کیسٹ لگا کر آواز تیز کر دی۔ نہ جانے کس زبان کا گانا تھا۔ گلوکار کوئی درمیان والا تھا۔ انتہائی بھونڈی اور پھٹی پھٹی سی آواز تھی۔ ایسا لگ رہا تھا کہ کوئی اسے چابک مار رہا ہے۔ اور وہ چابک کھا کر "آئے ہائے" کر رہا تھا۔ کنڈیکٹر کو بھی روٹیاں لگ رہی تھیں۔ وہ بھی اپنی کریہہ آواز گانے میں ملا رہا تھا، جو سماعت پر گراں گزر رہی تھی۔ عربائیل نے حیرت سے اسے دیکھا اور عامر کے کان میں سرگوشی کی۔

"یار! یہ اسے کیا ہوا؟ یہ کیوں کوے کی طرح چیخ رہا ہے؟"۔

"موصوف گانا گا رہے ہیں......" عامر نے منہ بنایا۔

"گانا......مگر یہ تو ایسا لگ رہا ہے کسی میت کے گھر سے عورتوں کا بین ریکارڈ کر کے چلایا جا رہا ہے" عربائیل نے کہا۔

عامر مثال سن کر مسکرا دیا۔ "مثال تو خوب دی ہے شاگرد ارجمند......ذرا اس مرض کی دوا تو کرو......ورنہ ایسے گانے چلتے رہے تو سارے مسافر پاگل ہو کر ہی بس سے اتریں گے......"۔

"ابھی لو استاد محترم......" عربائیل نے کہا اور گانے والا کا گلا گھٹ گیا۔

کنڈیکٹر ایک دم چونک گیا۔

"اوئے کی ہو گیا اے؟" اس نے پریشان ہو کر کیسٹ پلیئر پر ہاتھ مارا مگر وہ دوبارہ اسٹارٹ نہیں ہوا۔ اس نے کیسٹ باہر نکالنا چاہی مگر حیران رہ گیا۔ اندر کیسٹ ہی نہیں تھی۔ وہ بار بار اندر جھانک کر دیکھ رہا تھا۔ حیرانی کے ساتھ اس کی شکل چینی مرغی جیسی ہو گئی تھی۔

"اب کیا ہو گیا؟" ڈرائیور نے اس کی اچھل کود سے عاجز آ کر سوال کیا۔

"استاد پتا نہیں کیسٹ کتھے چلی گئی اے" کنڈیکٹر بدستور حیران پریشان تھا۔

"اوئے کیسٹ نوں کتھے جاناں اے......ٹھیک سے دیکھ......"۔

"نہیں اے استاد......دیکھ لیا......"۔

"نہیں اے؟......اوتاں فیر جادو ہو گیا اے......کوئی جن بھوت آ گیا ہے ادھر۔ لانت بھیج' چل دوسری لگا دے......"۔

کنڈیکٹر نے دوسری کیسٹ نکالی اور کیسٹ پلیئر میں لگائی۔ وہ اندر گئی اور تیزی سے باہر آ گئی۔ کنڈیکٹر نے زور سے کیسٹ کو واپس اندر دھکیلا، مگر وہ پھر باہر آ گئی۔ اب تو کنڈیکٹر کو جوش آ گیا۔ اس نے کیسٹ پر زور سے ہاتھ مارا اور ٹیپ کے ٹکڑے ہو گئے۔ ڈرائیور اچھل پڑا۔ بس لہرائی' کئی مسافروں کی چیخیں ابھریں۔ اگر ڈرائیور مہارت سے دوبارہ بس کو نہیں سنبھالتا تو شاید بس کچے میں اتر جاتی۔ ڈرائیور کے منہ سے کئی "ڈرائیوری گالیاں" نکلیں۔

"اوئے مر......کھپ......توڑ ڈالا تو نے سارا ٹیپ......اوئے نسکان کر دیا......اب کون بھرے گا اسے......؟ یہ کیسے توڑ دیا اوئے......اوئے......اس کا تو سارا ہی ستیاناس ہو گیا' بیڑہ غرق ہو گیا......ابے یہ کیا کر دیا......؟"

کنڈیکٹر صاحب کا تمام جوش و خروش ہوا ہو گیا تھا۔ ان کی شکل پر بارہ بج رہے تھے۔ وہ ہکلایا۔ "پتا نہیں استاد......میں نے تو ہلکا سا ہاتھ مارا تھا"۔

"اب تیری دیہاڑی سے پیسے کٹیں گے......مالک تجھے نہیں چھوڑے گا۔ اپنا نسکان پورا کرے گا" ڈرائیور بولتا رہا' کنڈیکٹر رونی سی شکل بنائے اپنی جگہ بیٹھ گیا تھا۔ یوں سب کی جان گانے کی مصیبت سے چھوٹ گئی۔

"اتنی سزا کافی ہے" عربائیل نے دھیرے سے کہا۔

"اچھی سزا ہے......یہ ڈرائیور اور کنڈیکٹر لوگوں کا خیال کرتے ہیں اور نہ ہی خواتین کا احترام۔ عجیب عجیب بے ہودہ گانے لگا دیتے ہیں......اور بڑا فخر محسوس کرتے ہیں......ان کو اذان کا بھی خیال نہیں رہتا......صرف ڈر لگتا ہے تو ٹریفک کانسٹیبل سے......"۔

"ٹریفک کانسٹیبل؟" عربائیل نے الجھی ہوئی نظروں سے عامر کو دیکھا۔

"ٹریفک پولیس" عامر نے وضاحت کی۔

"ہائیں......یعنی یہ کسی سے نہیں ڈرتے......؟ اذان کا احترام بھی نہیں کرتے......؟ پولیس سے ڈرتے ہیں......؟" عربائیل کو بڑی حیرت ہوئی۔

ہاں......ایسا ہی ہے......عامر کو جن زادے کے سامنے کچھ خفت سی محسوس ہوئی تھی، کیوں کہ ذکر انسانوں کا ہو رہا تھا۔

عربائیل نے اس کے جذبات کو محسوس کر کے موضوع بدل دیا۔ بولا "یار یہ بتا......ہم کہاں چلیں گے اور کہاں ٹھہریں گے......؟"

"ٹھہرنے کا مسئلہ تو ہے......کسی ہوٹل میں ٹھہر لیں گے" عامر نے سوچتے ہوئے جواب دیا۔

دفعتاً اگلی سیٹ پر بیٹھا ہوا آدمی گردن موڑ کر بولا "معاف کیجئے گا......میرا اس طرح سے آپ کی گفتگو میں مداخلت کرنا مناسب تو نہیں ہے، مگر میرا خیال ہے کہ آپ رہائش وغیرہ کے لیے پریشان ہیں۔ میرا مطلب ہے کسی اچھے ہوٹل میں ٹھہرنا چاہتے ہیں......؟"

"جی......جی ہاں......" عربائیل نے جلدی سے جواب دیا۔

"لیکن آپ نے جانا کہاں ہے؟" آدمی نے شائستگی سے پوچھا۔

"میں تو لاہور جا رہا ہوں......"۔

"لو جی یہ تو کمال ہو گیا......ہم بھی لاہور جا رہے ہیں......ہیں جی......یہ تو بڑا ہی اچھا ہوا ناں جی......" عامر خوش ہو کر بولا۔

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

"واقعی یہ تو بڑا اچھا ہوا...... لاہور میں میرے ایک دوست کا بڑا ہوٹل ہے۔ میں بھی اُدھر ہی رکوں گا۔ آپ جی میرے ساتھ ہی چلیں' ایک دم وی آئی پی انتظام ہوگا ادھر' کھانا بھی ایک دم فرسٹ کلاس......"۔

"واہ جی...... یہ تو مسئلہ ہی نمٹ گیا...... اپن تو ایویں پریشان ہو رہے تھے...... آپ کا شکریہ جناب...... کیا نام ہے آپ کا جی......؟" عامر نے آدمی سے پوچھا۔ عامر بڑے اچھے موڈ میں تھا۔

"میرا نام مجاہد حسین......" آدمی نے اپنا نام بتایا۔

"آپ لوگ کسی کام سے لاہور جا رہے ہیں......؟"۔

"ہاں جی...... ہم تو کام سے مختلف شہروں میں رہتے ہیں۔ کاروباری لوگ ہیں جی ہم دونوں......"

"بھائی ہیں آپس میں دونوں......؟"

"جی ہاں......"

"ماشاء اللہ بڑا اتفاق ہے آپ دونوں میں...... ویسے یہ کاروباری زندگی بڑی دشوار ہوتی ہے، آدمی کو جگہ جگہ پھرنا پڑتا ہے"۔

"ہاں جی درست فرمایا...... رزق کی تلاش میں تو پرندے بھی صبح سویرے گھونسلے چھوڑ دیتے ہیں" عامر نے فلسفہ بگھارا "ہم تو پھر انسان ہیں...... نہ جانے اللہ تعالیٰ نے ہمارا دانہ پانی کہاں کہاں اتارا ہے۔"

"سامان وغیرہ تو ہوگا آپ کے پاس؟"

"سامان کیا ہے، بس دو چار ضرورت کی چیزیں ہیں...... باقی جس چیز کی ضرورت ہوگی، خرید لیں گے...... بس رقم ہے بیگوں میں" یہ سن کر مجاہد حسین کی آنکھوں میں عجیب سی چمک اُبھری تھی۔

پھر وہ ایک دم سنبھل گیا "تو آپ یونہی رقم لیے پھر رہے ہیں' اگر ڈاکوؤں نے لوٹ لیا تو......؟"

"بس اللہ پر بھروسا کر کے نکل جاتے ہیں...... ہمیشہ بڑی رقم کے ساتھ ہوتے ہیں اور آج تو بہت ہی بڑی رقم ہے......" عربائیل نے یہ بات جان بوجھ کر کہی تھی۔ عامر سمجھ گیا کہ وہ اس شخص کو پرکھنا چاہتا تھا' اس لیے اس نے بڑی رقم کی بات کی تھی۔ مجاہد حسین کی آنکھوں کی چمک میں اضافہ ہو گیا تھا۔

وہ بولا "افوہ...... بھئی حد ہو گئی...... میں نے آپ دونوں کے نام تو پوچھے ہی نہیں...... یعنی کمال ہو گیا......"۔

"ہمارے نام اصلی نقلی ہیں...... میں اصلی ہوں یہ نقلی ہے......" عامر نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"ہائیں......" مجاہد حسین کا منہ حیرت سے کھلا رہ گیا۔ "یہ کیسے نام ہیں!...... اصلی نقلی......؟"۔

"بس جناب...... والد محترم نے رکھے تھے...... انہیں عجیب عجیب شوق تھے، اس لیے ہمارے نام بھی عجیب ہی رکھے ہیں......"۔

"کمال ہے...... خیر...... ہوں گے...... اصلی نقلی...... مجھے بھلا کیا اعتراض ہو سکتا ہے" مجاہد حسین نے الجھن آمیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

شام ہونے سے پہلے پہلے وہ لاہور پہنچ گئے۔ مجاہد حسین نے ایک ٹیکسی کرائے پر حاصل کی اور یوں وہ لوگ ہوٹل پہنچے۔ بلاشبہ اچھا اور بڑا ہوٹل تھا، لیکن اس وقت لوگ کم نظر آ رہے تھے۔ مجاہد حسین انہیں اندر لایا۔ استقبالیے پر موجود آدمی مجاہد حسین کو جانتا تھا، اس لیے بڑے پُرتپاک انداز میں ان کا استقبال کیا۔ اس نے انہیں کمروں کی چابیاں دیں۔ مجاہد حسین نے کاؤنٹر مین کو تاکید کی کہ ان نوجوانوں کا خاص خیال رکھے اور ان کو کوئی تکلیف نہ ہو۔ وہ

ہدایت سن کر گردن ہلانے لگا، جیسے سب کچھ سمجھ گیا ہو۔

مجاہد نے انہیں کمرا دکھایا اور کہا "اب آپ دونوں آرام کریں...... بعد میں ملاقات ہوگی......" یہ کہہ کر وہ چلا گیا۔

"یار کمرا تو بڑا اچھا ہے...... بستر دیکھ کر تو مجھے نیند آنے لگی ہے" عامر اوندھے منہ بیڈ پر گر گیا۔

"ہاں اچھا ہے......" عربائیل سنجیدہ نظر آ رہا تھا۔

"لیکن وہ آدمی مجھے ٹھیک نہیں لگ رہا ہے...... اس کی آنکھوں میں مجھے لالچ کی چمک نظر آ رہی تھی"۔

"کیا مطلب؟" عامر ایک دم سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

"مطلب یہ کہ وہ ہمیں کسی مقصد کے تحت یہاں لایا ہے؟"

"یعنی تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ اس کی نظر ہماری رقم پر ہے؟" عامر نے استفسار کیا۔

"بالکل......"۔

عامر سوچ میں ڈوب گیا پھر سر اٹھا کر بولا۔ "تو پھر تم کیا چاہتے ہو؟"۔

"میں ذرا ابھی مجاہد حسین صاحب کو چیک کر کے آتا ہوں...... تم ادھر ہی رہنا۔" یہ کہہ کر عربائیل نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

عامر چند لمحے اپنی جگہ بیٹھا رہا۔ پھر اٹھ کر کمرے سے ملحقہ باتھ روم میں جا گھسا۔ عربائیل نادیدہ حالت میں کمروں میں جھانک رہا تھا۔ آخر ایک کمرے کا منظر دیکھ کر عربائیل چونک گیا۔ وہاں چھ آدمی موجود تھے۔ دو آدمی صوفوں پر بیٹھے تھے۔ ان میں ایک مجاہد حسین تھا۔ باقی چاروں آدمی جو کھڑے تھے، شکل سے ہی غنڈے اور اُچکے لگ رہے تھے۔ مجاہد حسین اپنے ساتھ بیٹھے آدمی سے کچھ کہہ رہا تھا۔

"کافی دنوں بعد ایسی تگڑی پارٹی پھنسائی ہے شمشاد بھائی!...... ایمان سے وارے نیارے ہو جائیں گے...... تمہاری ساری کی ساری شکایتیں ختم ہو جائیں گی...... ایک نے تو خود بتایا ہے کہ دونوں بیگوں میں بڑی رقم ہے......"۔

دوسرا شخص شمشاد بار بار آنکھیں میچ رہا تھا۔ شاید اسے عادت تھی اور اب خوشی کے مارے آنکھیں میچنے میں تیزی آ گئی تھی۔ شکل سے ہی بڑا شاطر اور تیز طرار آدمی لگتا تھا۔ اس نے مجاہد حسین کے کندھے پر ہاتھ مارا "مجھے تیری یہی باتیں پسند ہیں...... کام بالکل سولہ آنے کھرا ہوتا ہے تیرا...... اور ایک یہ ہیں بُدحرام......"۔ اس نے چاروں آدمیوں کی طرف اشارہ کیا۔ "کام کے نام سے موت آتی ہے انہیں...... کھانے پینے میں شیر چیتے بن جاتے ہیں۔ مجاہد بھائی تم فکر مت کرنا...... تیرا برابر کا حصہ ہوگا...... اور تیرا کام ختم ہو گیا' اب ہمارا کام شروع ہوتا ہے...... تم جہاد کر چکے...... اب ہم کریں گے...... ابھی وہ کیا کر رہے ہیں؟"۔

"ابھی تو آرام کر رہے ہوں گے...... کارروائی رات کو ہونی چاہیے جب وہ گہری نیند میں ہوں" مجاہد نے تاکید کی۔

"یہ کوئی پہلا کام ہے کیا مجاہد بھائی؟"۔ شمشاد نے آنکھیں میچیں "پہلے بھی کتنے معصوموں کو حلال کر چکے ہیں ہم"۔ یہ کہہ کر وہ ہنسا، مجاہد نے بھی اس کا ساتھ دیا۔

اپنے اساتذہ کو دیکھ کر چاروں بدمعاشوں نے بھی "ہی ہی ہو ہو" شروع کر دی۔ شمشاد کی ہنسی کو ایک دم بریک لگ گئے۔ اس نے خونی نظروں سے اپنے چاروں ساتھیوں کو گھورا اور کاٹ کھانے والے لہجے میں بولا "تم

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

لوگ کیوں ہنسے تھے......؟''۔

چاروں گڑبڑا گئے۔ کھسیائی کھسیائی سی صورتیں ہو گئیں۔ ایک بولا ''باس ہم آپ کو دیکھ کر ہنسے تھے۔''

''کیوں...... کیوں؟'' شمشاد کے تیور مزید خراب ہو گئے۔ ''میری شکل کارٹون جیسی ہے؟''۔

''مم...... میرا مطلب یہ نہیں ہے باس'' وہ آدمی ہکلایا ''میرا مطلب ہے کہ آپ کو خوش دیکھ کر ہم بھی خوش ہو گئے تھے......'' اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اپنے خبطی باس کو کیا جواب دے۔

''میں کیا پاگل ہوں......؟'' شمشاد نے آنکھیں نکالیں ''جو میں کروں گا تم بھی وہی کرو گے؟'' شمشاد نے جواب دیا۔

''اب غور سے سنو'' شمشاد چاروں بدمعاشوں سے مخاطب ہوا۔ ''آج رات تم چاروں نے اپنی مفت کی تنخواہ حلال کرنی ہے۔ کام کیا کرنا ہے یہ تو تم سمجھ ہی گئے ہو گے...... دو چھوکرے ہیں...... آسانی سے شکار کر لو گے۔''

چاروں سر ہلانے لگے ''سمجھ گئے باس...... آپ فکر ہی نہ کریں۔ ہم اپنا کام کریں گے اور آپ آرام سے یہاں بیٹھ کر بیگو جوس پینا...... کام تسلی بخش ہو گا۔''

عرباٹگل اس تمام عرصے میں ایک جانب کھڑا ان نوسربازوں کی گفتگو سن رہا تھا۔

''سب سے پہلے انہیں بے ہوش ضرور کر دینا...... کہیں وہ اٹھ گئے اور شور مچا دیا تو بڑی مشکل ہو جائے گی...... اگر چیں چیں کریں تو تھوڑی بہت چھینٹی بھی لگا دینا۔ تڑکا لگا کے......'' مجاہد نے بقیہ ہدایات دیتے ہوئے انہیں تاکید کی ''اور مار مت دینا کہیں۔''

''تھوڑی بہت چھینٹی تو ہو گی نا جی......''

''فیروز...... لائیٹر ہے تیرے پاس؟......''

''یس باس......'' فیروز نامی غنڈے نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈالا۔ ادھر عرباٹگل کو اب شرارت سوجھ رہی تھی۔

یکایک فیروز زور سے بکرے کی طرح اچھلا اور پھر گیدڑ کی طرح چیخا۔ اس کی ان حیوانی حرکت سے سب چونک گئے۔ فیروز بری طرح چیخ رہا تھا اور اس کے چہرے پر تکلیف و اذیت کے آثار نظر آ رہے تھے۔ اس نے اپنا ہاتھ جیب سے نکالا۔ سب نے دیکھا، اس کے ہاتھ کی دو انگلیوں کے ایک چھوٹے سے شکنجے نے جکڑا ہوا تھا۔ یہ چوہے پکڑنے والے شکنجے سے ملتا جلتا تھا۔ فیروز بری طرح مچل رہا تھا اور حلق پھاڑ رہا تھا۔

''ابے کیوں ڈانس کر رہا ہے' سیدھا کھڑا ہو جا......'' شمشاد اس طوفان بدتمیزی پر بے زار آ کر چلایا۔

فیروز چپ کھڑا ہوا تو اس کے دوسرے ساتھی نے شکنجے سے اس کی انگلیاں نکالیں اور زخمی انگلیوں پر اپنا رومال لپیٹ دیا۔ فیروز اب بھی سی سی کر رہا تھا اور بار بار ہاتھ کو جھٹک رہا تھا۔

''یہ تجھے جیب میں رکھنے کی کیا ضرورت تھی...... کیا پکڑنے نکلا تھا تو......؟'' شمشاد نے منہ بنایا' مجاہد خوب مزے لے لے کر ہنس رہا تھا۔

''قسم لے لو باس...... یہ پتا نہیں کہاں سے جیب میں آ گیا...... یہ میرا نہیں ہے اور نہ ہی میں نے اسے جیب میں رکھا تھا۔'' فیروز خوف زدہ لہجے میں بولا۔ مجاہد نے زور سے قاہ قاہ کر کے قہقہہ لگایا۔ اس کا قہقہہ ٹلخ کی آواز سے مشابہ تھا۔

''یہ تیرے والد مرحوم کی روح رکھ گئی ہو گی۔''

فیروز نے تکلیف کے باوجود ناگواری سے مجاہد کو دیکھا تھا،

مگر بولا کچھ نہیں۔

تیسرا بدمعاش شاہد آگے آیا۔ اس نے اپنا لائٹر نکال لیا تھا اور لائٹر جلا کر شمشاد کے ہونٹوں میں دبے ہوئے سگار کی طرف بڑھایا مگر عجیب بات ہوئی۔ سگار کی بجائے باس کی مونچھیں جل گئیں۔ وہ مونچھیں جن کو باس، یعنی شمشاد اپنی اولاد کی طرح عزیز رکھتا تھا۔

شاہد میاں نے یہ دیکھا تو ان کے پیروں تلے زمین نکل گئی۔ چند لمحوں کے لیے ایسی بو اٹھی جیسے پائے بھونتے وقت اٹھتی ہے۔ شمشاد کا منہ کھل گیا اور سگار گر گیا تھا۔ مونچھیں اتنی شرمیلی تھیں کہ آناً فاناً تمام کی تمام جل کر ختم ہو گئیں۔ دوسرے ہی لمحے شمشاد ببر شیر کی دہاڑا۔ اس کی دھاڑ میں شدید غصے اور جلن کی تکلیف دہ آمیزش تھی۔ شمشاد کی ناک بالکل توتے کی چونچ کی طرح سرخ ہو گئی تھی۔ مونچھوں کے انتقال نے اسے غم و غصے سے پاگل کر دیا تھا۔ اگلے ہی لمحے شمشاد نے آدم خور جنگلی شیر کی طرح لمبی زقند بھری اور شاہد کو گرا کر اس کی گردن دبوچ لی۔ مجاہد حسین اور باقی تینوں بدمعاش اس واقعے پر حیران تھے۔ ان کا جی چاہ رہا تھا کہ جی بھر کر قہقہے لگائیں۔ واقعہ ہی کچھ عجیب تھی۔ شمشاد کا چہرہ عجیب نیا نیا سا لگ رہا تھا۔ شاہد بے چارہ گو مگو کی حالت میں فرش پر پڑا تھا۔ اس نے خود کو چھڑانے کی کوشش بھی نہیں کی تھی۔ وہ لوگ تو ابھی خاصی پلاننگ کر رہے تھے کہ ان دونوں مسافر اور مال دار لڑکوں کو کس طرح لوٹا جائے اور ان کی رقم اپنے قبضے میں لی جائے لیکن یہاں تو کھیل ہی دوسرا شروع ہو گیا تھا۔ شاہد بے چارے کی سانس رکنے لگی اس کا دم نکلنے لگا تھا۔ قریب تھا کہ شاہد بے چارا بے قصور وفات پا جاتا۔ مجاہد کو ایک دم ہوش آیا اس نے جلدی سے شاہد کی گردن چھڑائی۔ شمشاد تو غصے میں بالکل ہی باؤلا ہو گیا تھا۔ اس کے منہ سے کف بہہ رہا تھا۔ اس کی عجیب سی شکل شدت غیض سے کپکپا رہی تھی۔ شمشاد منہ پر ہاتھ رکھ کر بھاگا۔ باتھ روم میں جا کر آئینے میں اپنی صورت دیکھی تو اس کا دل چاہا کہ دھاڑیں مار مار کر روئے۔ عجیب سی شکل بن گئی تھی۔ اس کے تمام ساتھی بری طرح سٹپٹائے ہوئے تھے۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کریں۔ قہقہے پیٹ میں مچل رہے تھے۔ کھل کر ہنس بھی نہیں سکتے تھے، کیوں کہ شمشاد انہیں گولی مار دیتا۔ شاہد کی حالت سب سے ابتر تھی۔ پتا نہیں کیسے اس کا ہاتھ بہک گیا تھا۔ اس کا دماغ گھوم رہا تھا۔ شمشاد کے پاس پستول نہیں تھا ورنہ وہ ابھی شاہد کو ختم کر دیتا۔ شمشاد باتھ روم سے باہر نکلا تو کمرے میں صرف مجاہد حسین ہی کھڑا تھا۔ باقی چاروں ساتھی فرار ہو گئے تھے۔

''کہاں گئے وہ سب خبیث......؟'' شمشاد دھاڑا وہ غصے میں جلدی جلدی آنکھیں میچ رہا تھا۔

''میں نے باہر بھجوا دیا'' مجاہد پرسکون آواز میں بولا۔ ''خود کو سنبھالو...... کیا ہو گیا ہے تمہیں؟''

''پوچھ رہے ہو کیا ہوا ہے......؟'' شمشاد اس پر الٹ پڑا'' دیکھ نہیں رہے ہو میری شکل......؟ میری مونچھیں جل گئیں اور تم پوچھ رہے ہو کیا ہوا......؟''

''یار...... اس بے چارے کا ہاتھ بہک گیا تھا...... وہ خود قسمیں کھا رہا تھا اور بے حد شرمندہ تھا کہ اس کا ہاتھ خود بہ خود پتا نہیں کیسے بہک گیا تھا...... ورنہ بھلا اس دو ٹکے کے آدمی کی کیا مجال کہ شمشاد دی گریٹ کی مونچھیں جلائے......'' مجاہد حسین نے تاویل پیش کی۔

(باقی آئندہ)

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

GUIDE گائیڈ

ایک سفر ہے شروعات کا جس میں آپ بھی شریک سفر ہو سکتے ہیں

غلام محی الدین ترک

چہرے پر معصومیت ، آنکھوں میں شرارت، کبھی غباروں کے پیچھے لپکنا تو کبھی تتلیوں کے پیچھے بھاگنا، کبھی رنگ برنگی کھٹی میٹھی چاکلیٹ کھانے کی چاہ انھیں دیوانہ بنائے رکھتی ہے تو کبھی کھلونوں سے کھیلنے کی خواہش انھیں بے چین کیے رکھتی ہے۔ بھولے سے ان کی لڑائی ہو جائے تو کچھ ہی دیر بعد پھر ایسے گھل مل جاتے ہیں جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔ اور جب کہانی سننے کا شوق ہو تو سارے کام کاج چھوڑ کر نانی اور دادی کے پاس پہنچ جاتے ہیں۔ یہ کہانیاں انھیں ایک ایسی انجانی دنیا میں لے جاتی ہیں جو انھوں نے کبھی دیکھی تو نہیں مگر اسے دیکھنے کی خواہش انھیں ضرور بے چین کیے رکھتی ہے۔ بچوں کی یہ مختلف خصوصیات جن میں سے اکثر فطری ہیں، زمین کی رنگا رنگی کا سبب ہیں، اور اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ وہ ابھی بچے ہیں۔

جب تک ہمارے گھروں میں نانی اور دادی کی حکمرانی تھی ، بچوں میں کہانیاں سننے کا شوق بیدار رہا، رفتہ رفتہ ان کا کردار محدود ہوتا گیا۔ کچھ خاندانی نظام کی تباہی نے بھی اپنا اثر ڈالا۔ بچے نانی، نانا، دادا اور دادی سے دور ہوئے اور انھوں نے اپنی مصروفیت کمپیوٹر گیمز میں ڈھونڈ لی تو کہانیاں پڑھنے اور سننے کے شوق میں بھی کمی آنے لگی۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ نانی اور دادی کا یہ کردار بچوں کے رسائل اور کتابوں نے سنبھال لیا اور پھر بچوں کے قلم کار مستقبل کے معماروں کی تربیت بڑی خوبی سے انجام دینے لگے اور یوں بچوں کا ادب فروغ پانے لگا۔

یہاں پر یہ سمجھ لینا چاہیے کہ ادب کا مقصد دراصل کیا ہے؟ ادب کی چاہے کوئی بھی صورت ہو اس کا کام معاشرے اور افراد کی تربیت کرنا ہے، انھیں ان نئے رجحانات سے روشناس کرانا ہے، جس کی روشنی میں وہ اپنا آئندہ لائحہ عمل طے کر سکیں اور اس کے مطابق اپنی زندگی کا ایک واضح نصب العین بنا سکیں۔

یہاں پر یہ جان لینا بھی از حد ضروری ہے کہ آخر بچوں کا ادب ہے کیا۔

ڈاکٹر محمود الرحمٰن کی کتاب "اردو میں بچوں کا ادب" میں ایک انگریز مصنف Henry Steel Comage کے حوالے سے لکھتے ہیں۔

"جو بھی چیز بچوں کے کام و دہن میں لذت دے اور ان کے مزاج و مذاق کے ہم آہنگ ہو، وہ ان

کا ادب قرار پاتی ہے۔ چاہے یہ چیز بڑوں اور بزرگوں کی میراث ہی کیوں نہ ہو"۔

بچوں کے ادب پر مزید نظر ڈالنے سے پہلے ضروری ہوگا کہ ہم پاکستان کی موجودہ صورت حال پر ایک سرسری نظر ڈالیں اور دستیاب اعداد و شمار کا ایک نظر جائزہ لیں تاکہ ہمیں اندازہ ہو سکے کہ ادب خصوصاً بچوں کے ادب کے فروغ میں کیا کیا رکاوٹیں ہیں۔

پاکستان کی آبادی سولہ کروڑ اسی لاکھ یعنی تقریباً سترہ کروڑ ہے، جس میں سے ۵۴ فیصد افراد ۱۸ سال سے کم عمر ہیں۔ اٹھارہ سال سے کم عمر افراد کو بچہ تسلیم کیا جاتا ہے۔

ادب پڑھنے اور سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ فرد خواندہ ہو مگر بدقسمتی سے حکمرانوں اور امراء کے تعلیم دشمن رویے کے باعث وطن عزیز کی اکثریت ناخواندہ رہی۔ پوری آبادی کے صرف تیس فی صد حصے کو خواندہ تسلیم کیا جاتا ہے اور ان تیس فی صد پڑھے لکھوں میں وہ افراد بھی شامل ہیں جو صرف دستخط کرنا جانتے ہیں۔ ان تیس فی صد میں سے ایک فی صد ادب خواندہ اور اس ایک فی صد میں سے بہت محدود تعداد بچوں کے ادب سے وابستہ (اعشاریہ ۲۵)، جن میں سے تقریباً افراد کو لکھنے کا شوق، پھر ان کا مدیران سے اعزازی کا پیاس مانگنے کی تکرار۔ یہ وہ صورت حال ہے جو ہم وطن عزیز میں دیکھ رہے ہیں تو کیا آپ سمجھ سکتے ہیں کہ ان حالات میں بچوں کے ادب کو کسی طور بھی پروان چڑھایا جا سکتا ہے۔ یہ ہماری زندگی کا ایک ایسا کڑوا سچ ہے جس پر توجہ دیے بغیر ہم اپنے اصل مقصد کی طرف نہیں آ سکتے اور نہ ہی ہم اپنے مقاصد کی تکمیل کر سکتے ہیں۔

اس حقیقت کے باوجود بچوں کے ادب میں ایک تحریک کی ضرورت ہمیشہ سے رہی ہے۔ جو بچوں کے ادب کو پروان چڑھا سکے۔ بچوں کے قلم کاروں کو ان کا مناسب حق دلا سکے۔ آپ کہہ سکتے ہیں کہ جناب! یہاں تو کبھی قلم کاروں اور ادب کو وہ مقام ہی نہ ملا جن کی ایک زندہ معاشرے سے توقع رکھی جا سکتی تھی، بڑوں کے افسانہ نگار اور ادب نے تو پھر بھی کچھ توجہ حاصل کر ہی لی مگر بچوں کے ادیبوں کے ساتھ سب سے بڑا مسئلہ یہ ہوا کہ بچوں کے ادب اور ادیبوں کو کبھی تسلیم ہی نہ کیا گیا۔ حالانکہ ہمارے بچوں کے ادیبوں نے ہزاروں ایسی کہانیاں، نظمیں اور مضامین لکھے جن کی الگ ادبی شناخت ہے۔ جن کو ادبی معیار پر پرکھا جا سکتا ہے۔

جب اکابرین بچوں کے ادب کو نظر انداز کیے ہوں، بچوں کا ادب کسی صورت تسلیم نہ کرتے ہوں تو حالات مزید گھمبیر ہو جاتے ہیں۔ ان حالات میں دم توڑتے بچوں کے ادب کو کچھ لوگ سنبھالنے کا فیصلہ کرتے ہیں۔ جی ہاں۔ دم توڑنے پر آپ کو چونکنے کا بالکل بھی حق نہیں ہے۔ معروف نقاد رضا علی عابدی اپنے ایک مقالے میں لکھتے ہیں کہ "اردو میں بچوں کے ادب کا جائزہ لیں تو بچوں کے ادب سے اردو کا

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

دامن خالی نظر آتا ہے"۔

ذرا اس فقرے کو دوبارہ پڑھیے اور جائزہ لیں کہ پاکستان میں بچوں کے ادب کی کیا صورت حال ہے۔ اور اگر دم توڑتے بچوں کے ادب کو سنبھالنے والے افراد کے متعلق آپ کی کیا رائے ہوگی اور اگر رائے مثبت ہوئی تو آپ اس تحریک کا کس طرح ساتھ دیں گے۔ ایک ایسے وقت جب وطن عزیز پر کڑا وقت آن پڑا ہے۔ ہم ایک ایسے ملک میں جی رہے ہیں، جہاں خود کش دھماکے عام ہوں، مہنگائی کا جن سب کو اپنی لپیٹ میں لے چکا ہے، عوام کا کوئی پرسان حال نہیں، تعلیم کی ترقی سے کسی کو کوئی سروکار نہیں، جہاں اکثریت کو پینے کا صاف پانی میسر نہ ہو، اور بجلی کسی روٹھی ہوئی دلہن کی طرح اپنے میکے جا بیٹھی ہو۔ اور جہاں ادب زندہ نہیں وہاں قلم کاروں کی زندگی کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ وہ تو خود اپنی موت آپ مر چکے ہیں۔

مگر ان سب حالات سے ذرہ بھر بھی مایوس ہونے کی ضرورت نہیں۔ رات کی تاریکی کے بعد صبح کی روشنی ضرور طلوع ہوتی ہے۔ بچوں کے ادیب اس مایوس کن صورت حال میں اپنا حصہ ڈالنے کے لیے شریک ہو چکے ہیں۔ یہ حقیقت جاننے کے باوجود کہ پاکستان میں بچوں کے ادب اور ادیبوں کے لیے حالات کبھی بھی سازگار نہیں رہے۔ اکا دکا ادارے ان کی بہتری کے لیے کام ضرور کرتے رہے مگر ان کی غیر مستقل مزاجی سے خاطر خواہ اثرات سامنے نہ آسکے۔ انعامات بھی من پسند افراد کو دیے جاتے رہے۔ خیر یہاں ہمارا مقصد کسی پر الزام تراشی نہیں اور نہ ہی ہم ان کے کردار پر کسی قسم کی بحث کرنا چاہتے ہیں۔

بچوں کے ادب کو نظر انداز کرنے کے باوجود مدیران اپنے محدود وسائل میں رسالے شائع کرتے رہے۔ اور انھوں نے نونہالوں کی تربیت میں اپنا اپنا حصہ ڈالا۔ ایک زمانے میں اخبارات میں بھی بچوں کے لیے معیاری صفحات شائع ہوتے تھے مگر پھر وہ سنہرا دور ختم ہوا اور اب اخبارات میں بچوں کے لیے ایسی غیر معیاری تحریریں شائع ہوتی ہیں کہ بے اختیار پیٹنے کو جی چاہتا ہے اور ملک کے بڑے اخبارات کو ذرہ بھر بھی اس بات کا احساس نہیں۔

بچوں کے یہ شائع ہونے والے رسائل جن کے وسائل محدود تھے، کچھ عرصے بعد اپنی اشاعت برقرار نہ رکھ پائے۔ اور آہستہ آہستہ منظر عام پر سے ہی غائب ہوگئے۔ نٹ کھٹ، کھیل کھیل میں، چلڈرن ٹائمز، چائلڈ اسٹار، ہونہار، خزانہ، بھائی جان (شفیع عقیل) میرا رسالہ، کھلونا، غنچہ، پھلواری، بچوں کا ڈائجسٹ، لڑکپن، سائنس، چندا ماموں، نونہال دنیا، دیانت، کایا پلٹ، رنگ برنگ، آنکھ مچولی، چاند ستارے، بچوں کا گلشن، اسکول ڈائجسٹ، چاند گاڑی، چلڈرن نیوز، بہار چمن، نوعمر، نئے چراغ، انکل سرگم، تاروں کی دنیا، بچپن، لوٹ پوٹ، الف اجالا، فاختہ، غنچے اور کلیاں، بچوں کا مون، بزم گل، بچوں کا دوست، اکیڈمی، دوست، چاند نگر، خوش بخت ڈائجسٹ، ٹپ ٹاپ، چھوٹی دنیا، روشنی (ثاقبہ رحیم الدین)، جھوٹو، دھنک، معصوم، جگنو، نور، شاہ رخ، چنبیلی، ون ٹو، معمار، معمار جہاں، ہلال اور ایسے ہی کئی دیگر رسالے منظر عام پر سے غائب ہوگئے اور پھر قلم کاروں کی تو ایک طویل فہرست ہے جن کے کام کو نہ صرف سامنے لانے کی ضرورت ہے بلکہ انھیں سراہنے کی بھی۔ جو فکر معاش اور دیگر وجوہ کی بناء پر بچوں کے ادب کو خیر باد کہہ چکے۔ کئی ایسے قلم کار ہیں جن کی کتابوں کی دوبارہ اشاعت ممکن ہو سکتی ہے تاکہ نئے قارئین کو اندازہ ہو سکے کہ ہمارے لیے اسلاف کیسا خزانہ چھوڑ چکے ہیں۔

اب اگر ہم بچوں کے ادب کو مٹنے سے بچانے کے لیے اپنا حصہ نہ ڈالیں تو پھر اگلی نسل تک یہ خزانہ کیسے پہنچے گا۔ ہمیں اپنی ذمہ داری کا احساس ہے اور اسی بناء پر کچھ حساس قلم کاروں نے گائیڈ GUIDE تشکیل دی۔ فوری طور پر ایک خط لکھا گیا۔ (یہ خط آپ قلمی خبر نامہ میں پڑھ سکتے ہیں) جسے پاکستان بھر کے قلم کاروں کو بذریعہ ای میل اور ڈاک روانہ کیا گیا۔ ان سے اس بارے میں رائے مانگی گئی۔ کچھ کا جواب حوصلہ افزا آیا، کچھ نے مشوروں سے نوازا۔ گائیڈ جب پچھلے برس قائم ہوئی تھی، دو پروگرامز کے بعد تسلسل نہ رہ پایا مگر اب اسے نئے سرے سے زندہ کیا گیا ہے۔ جی ہاں، پاکستان میں بچوں کے ادب کو مٹنے سے بچانے کے لیے ہم میدان میں آچکے ہیں۔ اب فیصلہ آپ کے ہاتھ میں ہے۔ یہ دیوانے سرپھرے لوگ جن کا اپنا کوئی مفاد نہیں، صرف ادب اور ادیب کی بہتری کے لیے کچھ کرنے کے لیے تیار ہیں، یہ افراد ابھی محدود ہیں۔ انھیں آپ کا تعاون چاہیے۔ آپ کے تعاون سے ہم اپنے مقصد کو باسانی پا سکتے ہیں۔

ہم کیا کر سکتے ہیں؟

یہ وہ سوال ہے جو اکثر قلم کاروں کے ذہنوں میں گونج رہا ہے، شاید انھیں یقین نہیں کہ ادب کے لیے کچھ صورت حال بہتر ہو سکتی ہے۔ پاکستان میں ادب کی جو صورت حال ہے۔ بیشتر ادبی تحریکیں بری طرح ناکامی سے دوچار ہو چکی ہیں۔ ملک میں کوئی ادبی پرچہ باقاعدگی سے نہیں نکل رہا مگر اس کے باوجود کسی نہ کسی طرح سے بچوں کے لیے پچاس سے زائد ماہنامے نکل رہے ہیں جن میں سے تقریباً نصف باقاعدہ ہیں۔ یہ صورت حال بظاہر خوش آئند ہے۔ مگر ابھی اس میں مزید بہتری کی گنجائش ہے۔ اگر آپ کی نیت میں خلوص ہے تو آپ بہت کچھ کر سکتے ہیں۔ حضور ﷺ، ایدیسن، حکیم محمد سعید، عبدالستار ایدھی بھی پہلے ایک تھے، پھر ان کے کام سے کارواں بنتا چلا گیا۔

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

کیا ہم تبدیلی پیدا کر سکتے ہیں؟: جی ہاں۔ اگر ہم مستقل مزاجی سے منزل کو سامنے رکھتے ہوئے اس پر چلنا شروع کر دیں تو بالآخر ایک روز ہم منزل تک پہنچ جائیں گے۔ عزم صادق ہو تو بڑی سے بڑی چٹانوں کو پاش پاش کیا جا سکتا ہے۔

یہ جان لیں کہ آپ فرد واحد نہیں بلکہ ایک طاقت ہیں۔

طاقت کی قسمیں: طاقت کی کئی قسمیں ہیں۔ جن میں سے سب سے اہم متحد رہنا ہے۔ اگر ہم سب ایک منزل کے مسافر بن جائیں تو پھر یقیناً ہم کچھ کر سکتے ہیں۔

گائیڈ کے مقاصد: جن سے آپ بھی یقیناً متفق ہوں گے۔

- بچوں کے قلم کاروں کی کتابوں کی اشاعت
- بچوں کے ادیبوں کا اپنی مدد آپ کے تحت ایک فنڈ کا قیام جس کے ذریعے کتابوں کی اشاعت اور مستحق ادیبوں کی مالی معاونت:
- بچوں کے رسائل کے درمیان خاص نمبر کا مقابلہ منعقد کروانا
- نئے قلم کاروں کو ہر ممکن رہنمائی فراہم کرنا
- قلم کاروں کے درمیان رابطہ فراہم کرانا۔

گائیڈ کا ممبر بننے کے لیے فارم جاری کیے جائیں گے۔ فنڈ کے حصول کا یہ طریقہ رکھا گیا ہے کہ حسب توفیق اگر ایک ادیب یا ادب دوست شخص چاہے وہ دس روپے دے یا سو یا ہزار۔ یہ اس کی مرضی پر منحصر ہے۔

گائیڈ کے سفر کا آغاز ہو چکا ہے۔ ملک بھر سے سراہنے کا سلسلہ شروع ہو چکا ہے۔ اندازہ ہو رہا ہے کہ گائیڈ بہت جلد اپنی شناخت بنانے میں کامیاب ہو جائے گی۔ (انشاء اللہ) گائیڈ نے درست سمت میں قدم بڑھا دیا ہے۔ آپ بھی گائیڈ کے ساتھی بن سکتے ہیں۔ اگر آپ تک ہماری ای۔ میل یا خط نہیں پہنچا تو اس مضمون کے ذریعے آپ کو شمولیت کی دعوت دی جاتی ہے۔ ادب کی ترقی بظاہر مشکل نظر آ رہی ہے۔ منزل آنکھوں سے اوجھل ہی نہیں بلکہ ناممکن بھی ہے مگر ارادوں میں ثابت قدمی ہو اور نیت میں خلوص ہو تو پھر گائیڈ کے تحت یہ سفر آسانی سے طے ہو سکتا ہے۔ اس ضمن میں آپ کی تجاویز اور مشوروں کا خیر مقدم کیا جائے گا۔

برائے رابطہ
محبوب الٰہی مخمور 0333-2172372
سید صفدر رضا رضوی 0300-9214194
نوشاد عادل 0321-2324500
غلام محی الدین ترک 0334-3120922
Email:melahi63@yahoo.com

☆☆☆

گرمی

رُت گرمی کی آئی وہ
تن پہ پسینہ لائی ہے جو
چلنے لگی ہے وہ گرم ہوا
جلنے لگا ہے خون سوا
ماجرا پوچھ نہ گرمی کا
ہوئی تنور کی مثل فضا
گرمی پر ہے آیا شباب
ہر کوئی مانگے آب ہی آب
حال بُرا ہے جس کے مارے
کریں وہ کیا مفلس بیچارے
موسم نے وہ ڈھایا ستم
کب ہے اپنے دم میں دم
رُت نے کروٹ بدلی جب
جان میں جان آئی تب

چوہدری قمر جہاں علی پوری، ملتان

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

بچوں کے فن کار علی مراد

علی مراد ایک طویل عرصے سے اسٹیج، ٹی وی، اسکول اور سالگرہ کے پروگراموں میں اپنے فن کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔ علی مراد بچوں کے پسندیدہ فن کار ہیں۔ آپ بھی انھیں اپنے فنکشن میں بلا سکتے ہیں۔

رابطے کے لیے 0303-2203797

نتیجہ سطریں تلاش کیجئے...... مئی 2011ء

انعام یافتگان:

☆ مکرم بیگ، کراچی ☆ عمیر اشرف، کراچی ☆ اسامہ سہیل، کراچی

نتیجہ گو گو آزمائش...... مئی 2011ء

انعام یافتگان: ☆ ربیعہ دلشاد، کراچی ☆ محمد احمد، کراچی ☆ حیدر علی، اسلام آباد

نتیجہ ڈیئر کوئز...... مئی 2011ء

انعام یافتگان: ☆ محمد رافع، لاہور ☆ محمد عثمان تنویر، واہ کینٹ ☆ شایان سورتی، کراچی

تصویر کا دوسرا رخ یہ بھی ہے......!!

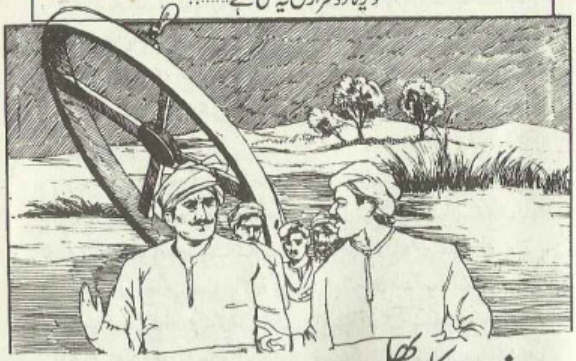

نیت کا پھل

صداقت حسین ساجد

''بھائی! آپ نے مجھے بلایا......!'' عبداللہ نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔

''ہاں! آؤ...... بیٹھو!'' حیدر نے ایک کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جواب دیا۔

''جی بھائی!'' ''جب تم تنہا تھے، تو تمھارا کھانا پینا تمھاری بھابی کے ذمے تھا۔ کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ اس نے اپنی ذمے داری میں کوئی کوتاہی تو نہیں کی؟''

''بھیا! آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں......؟ انھوں نے کبھی مجھے اپنا دیور نہیں سمجھا، ہمیشہ میرا خیال چھوٹے بھائیوں کی طرح رکھا ہے۔ انھوں نے اپنی ذمے داری بڑی محبت اور خلوص سے نبھائی ہے۔''

''اب جب کہ ہم نے تمھاری شادی کر دی ہے تو تمھارے کھانے پینے کا کوئی مسئلہ نہیں رہا...... اس لیے اس بار جب گندم کی فصل تیار ہو جائے گی، تو تم اپنا حصہ لے کر الگ ہو جانا۔''

''یہ...... یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں!!!'' عبداللہ حیرت سے چلا اٹھا۔

''میں وہی کہہ رہا ہوں، جو مناسب ہے۔ اب تم خدمت کرنا اور نہ ہی اس معاملے میں بحث کرنا۔ بس سمجھ لو یہ میرا فیصلہ ہے، جو تمھیں ماننا ہے۔'' حیدر نے لگتا تھا سب کچھ پہلے ہی سے طے کر رکھا ہے...... اس لیے تو اس نے عبداللہ کو دو ٹوک فیصلہ سنا کر بات ختم کر دی۔

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

عبداللہ کچھ کہنے کے لیے پر تول ہی رہا تھا کہ حیدر نے ہاتھ اٹھا کر اسے منع کر دیا:

''میں نے پہلے ہی تمھیں بتا دیا تھا کہ میں تمھاری کوئی بات نہیں سنوں گا، جو میں نے کہہ دیا ہے ..... سو کہہ دیا ہے۔''

عبداللہ کو اپنے بھائی کی بات مجبوراً ماننا پڑی، کیوں کہ یہ اس کے بڑے بھائی کا حکم تھا۔ پورا علاقہ اس کے بھائی کی بات مانتا تھا، تو وہ کیسے نہ مانتا۔ حیدر نے اپنے چھوٹے بھائی کو آدھا گھر بانٹ دیا..... فصل تو پکنے پر ہی بانٹی جانا تھی، اس کے علاوہ جو کچھ بھی تھا..... انھوں نے آپس میں تقسیم کر لیا۔ حیدر نے پوری کوشش کی کہ اس کے چھوٹے بھائی کے ساتھ زیادتی نہ ہو۔ اب وہ دونوں فصل تیار ہونے کا انتظار کرنے لگے۔

☆☆☆

حیدر اور عبداللہ کو باپ کی طرف سے بہت سی زمین ملی تھی۔ حیدر بڑا بھائی تھا۔ اس کی عقل مندی کی ہر کوئی تعریف کرتا تھا۔ وہ جس گاؤں میں رہتے تھے، نہ صرف وہ گاؤں بلکہ ارد گرد کے دیہاتوں میں بھی جب کوئی مسئلہ پیش آتا، تو اسے بلایا جاتا۔ حیدر ان کے مسائل حل کرنے میں ان کی مدد کرتا تھا..... اس لیے ہر آدمی اس کی عزت کرتا تھا۔

عبداللہ نوجوان اور صحت مند تھا۔ وہ اپنی زمینیں خود کاشت کرتا تھا۔ خوب محنت کرتا، فصلیں بھی خوب ہوتیں۔ ان کی گزر بسر بہت اچھے طریقے سے ہو رہی تھی۔ دونوں بھائی اپنے اپنے کام کو دیانت داری سے سرانجام دے رہے تھے۔ پورا خاندان بڑی محبت سے مل جل کر رہ رہا تھا۔ بڑے بھائی کی اولاد بھی تھی..... اس کے باوجود کوئی مسئلہ پیش نہیں آتا تھا۔

کچھ عرصے بعد عبداللہ کی شادی کر دی گئی۔ اس کی بیوی زیادہ عقل مند نہیں تھی۔ کچھ لوگوں کی باتوں میں آ کر وہ اکثر اپنے شوہر سے کہتی رہتی:

''ساری محنت آپ کرتے ہیں..... جب صلہ ملتا ہے، تو اس میں آپ کے بڑے بھائی، ان بیوی کی اور بچے بھی شامل ہو جاتے ہیں۔ یہ کیا بات ہوئی کہ محنت کوئی کرے اور عیش کوئی دوسرا کرے۔''

عبداللہ اسے سمجھاتا:

''تم تو پاگل ہو..... میرا بھائی تو گاؤں کا چودھری ہے، وہ کیسے کھیتوں میں محنت کر سکتا ہے؟''

''پھر بھی انھیں کچھ خیال کرنا چاہیے۔''

''جتنا رزق اللہ تعالیٰ نے ہمارے حصے میں لکھ دیا ہے..... وہ ہمیں مل رہا ہے۔ ہمیں اور کیا چاہیے۔''

اس کی بیوی کی عقل میں یہ بات نہ آتی۔ اسے جب بھی موقع ملتا، وہ بات ضرور کر جاتی۔ ہوتے ہوتے یہ بات بڑے بھائی کے کانوں میں بھی پہنچ گئی۔ اس نے سوچا کہ اس سے پہلے کہ حالات خراب ہو جائیں..... مجھے چاہیے کہ میں اپنے چھوٹے بھائی کو

اس کا حصہ دے کر الگ کر دوں۔

یوں ایک دن حیدر نے عبداللہ سے بات کر کے اسے الگ کر دیا۔ عبداللہ کی بیوی تو یہی چاہتی تھی۔ اس کی خواہش پوری ہو چکی تھی..... اس لیے اس کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہیں تھا۔

☆☆☆

فصل تیار ہو گئی، تو اسے کاٹ کر ایک بڑا کھلیان بنا دیا گیا۔ تھریشر لگی اور پھر انھوں نے گندم آپس میں بانٹ لی۔

حیدر نے عبداللہ سے کہا: ''میں چاہتا ہوں کہ گندم رات کی تاریکی میں اٹھائی جائے، تاکہ ہمارے الگ ہونے کا کسی کو بھی علم نہ ہو۔ یہ نہ ہو کہ لوگ کہیں کہ دوسروں کے جھگڑے نبٹانے والے کا گھر خود پھوٹ کا شکار ہے۔''

''بھیا! میں بھی یہی چاہتا ہوں۔''

گاؤں سے کچھ فاصلے پر تھے..... اس لیے حیدر نے عبداللہ سے کہا: ''ایسا کرتے ہیں کہ باری باری ہم میں سے ایک گندم گھر لے جائے گا..... دوسرا یہاں پہرا دے گا۔ اب تم گندم لے جاؤ۔''

عبداللہ نے گندم کی بوری اٹھائی اور گھر کی راہ لی۔ جب وہ نظروں سے اوجھل ہوا، تو حیدر دل میں سوچنے لگا:

'میرا چھوٹا بھائی میری ایک عرصے سے خدمت کر رہا ہے۔ یہ فصل بھی اس کی محنت کی وجہ سے اتنی اچھی ہوئی ہے۔ میری تو اس پورے علاقے میں عزت ہے، اگر میرا اناج کم پڑ گیا، تو میں تو کسی سے بھی مانگ لوں گا۔ وہ مجھے انکار نہیں کر سکے گا۔ اگر خدانخواستہ میرے چھوٹے بھائی پر ایسا کوئی مشکل وقت آ پڑا، تو وہ بے چارا کیا کرے گا۔ اسے تو سودے بازی کا کچھ پتا نہیں۔ میں ایسا کرتا ہوں کہ اپنے حصے میں سے کچھ اناج اس کے حصے میں ملا دیتا ہوں..... تاکہ اسے کسی مشکل کا سامنا نہ کرنا پڑے۔'

یہ سوچ کر اس نے اپنے حصے میں سے کچھ اناج اپنے بھائی کے اناج میں ملا دیا۔

اتنے میں عبداللہ واپس آ گیا۔ حیدر نے کہا:

''اب تم یہاں بیٹھو میں اپنا حصہ گھر پہنچا آؤں۔''

حیدر نے بوری اٹھائی اور گھر کو چل دیا۔ اس کے جانے کے بعد عبداللہ سوچنے لگا:

'میرا بڑا بھائی علاقے بھر کا چودھری ہے، پھر اس کے بچے بھی ہیں۔ اگر کسی وقت اس کا اناج کم پڑ گیا، تو اسے کسی سے مانگنا پڑے گا۔ یوں میرے بڑے بھائی کی عزت خاک میں مل جائے گی۔ میرے ساتھ ایسا کچھ ہوا، تو میں خود ہی کچھ نہ کچھ کر لوں گا۔ کیوں نہ میں اپنے حصے کے اناج میں سے کچھ اناج اپنے بڑے بھائی کے حصے میں ملا دوں۔'

اس نے اپنی اس سوچ پر عمل کرنے میں کوئی

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

تاخیر نہ کی۔

حیدر واپس آیا تو عبداللہ نے بوری اٹھائی اور چل دیا۔ حیدر نے پھر اپنے اناج میں سے کچھ اناج اپنے چھوٹے بھائی کے حصے میں ملا دیا۔ عبداللہ واپس آیا تو اس نے بھی حیدر کے جانے کے بعد یہی کام کیا۔ ساری رات گزر گئی...... ان کے گودام بھر گئے مگر اناج کی ڈھیریاں کھلیان میں اتنی ہی رہیں۔ ان میں ذرا سی بھی کمی بیشی نہیں ہوئی تھی...... حالاں کہ ہر بار وہ اپنے حصے سے اناج دوسرے کے حصے میں ملاتے رہے تھے۔ وہ ساری رات اناج ڈھوتے ڈھوتے تھک چکے تھے۔ لیکن اناج تھا کہ کم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔

صبح ہوئی تو وہ دونوں کچھ دیر آرام کرنے کے لیے بیٹھ گئے۔ ابھی انھیں بیٹھے کچھ ہی دیر ہوئی تھی کہ وہاں سے گاؤں کے ایک بزرگ گزرے۔ دونوں بھائیوں کو تھکا دیکھ کر پوچھا:

"خیر تو ہے کہ اناج نہیں ڈھو رہے ہو؟"

"ہم تو ساری رات اناج ڈھوتے رہے ہیں مگر اناج ہے کہ ختم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہا۔ اناج اب بھی اتنا ہی ہے ...... جتنا ڈھونے سے پہلے تھا۔" دونوں بھائیوں نے جواب دیا۔

بزرگ ان کا جواب سن کر کچھ دیر سوچتے رہے پھر بولے:

"تم لوگ ایسا کرو کہ جس طرح رات کو اناج ڈھوتے رہے ہو...... اسی طرح اب میرے سامنے ڈھونا شروع کر دو۔"

دونوں بھائیوں نے اسی طرح اناج ڈھونا شروع کر دیا اور ساتھ ساتھ دونوں بھائی ایک دوسرے کے اناج میں اپنے حصے سے کچھ اناج ملاتے رہے۔

بزرگ نے یہ ساری صورت حال دیکھ کر پوچھا:

"تم دونوں اپنا کچھ حصہ ہر بار ایک دوسرے کی ڈھیری میں کیوں ملاتے ہو؟"

دونوں بھائیوں نے قدرے حیرت سے اپنی اپنی سوچ سے بزرگ کو آگاہ کیا تو وہ مسکرا کر کہنے لگے:

"بیٹا! اللہ تعالیٰ نے تمھارے اسی اچھے کام کی وجہ سے تمھارے اناج میں اتنی برکت ڈال دی ہے کہ اگر تم اپنی پوری زندگی بھی یہ اناج ڈھوتے رہو تو یہ ختم نہیں ہوگا۔"

دونوں بھائیوں کو جب ایک دوسرے کے خیالات کا علم ہوا تو وہ ایک دوسرے کے گلے لگ گئے۔ انھوں نے الگ نہ ہونے کا فیصلہ کیا۔ جب عبداللہ کی بیوی کو اس بات کا علم ہوا تو وہ بہت شرمندہ ہوئی۔ اس نے اپنے میاں، دیور اور اس کی بیوی سے معافی مانگی۔ یوں دونوں بھائیوں نے پہلے کی طرح اپنے اپنے کام سنبھال لیے۔ اس کے بعد ان کے درمیان کوئی مسئلہ نہ ہوا، کیوں کہ ان کی نیت کے پھل کی وجہ سے ان کے دشمنوں کو منہ کی کھانا پڑی تھی۔

کسان اور سیب کا درخت

تحریر: رضیہ خانم

ہمارے اچھے ساتھیو! اگر ہم تھوڑی سی عقل استعمال کریں تو کوئی چیز بیکار نہیں ہوتی خواہ وہ کتنی چھوٹی و معمولی کیوں نہ ہو۔ اس کا کوئی نہ کوئی مصرف ضرور نکل آتا ہے جیسے ایک کسان کا قصہ یوں ہے۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک کسان تھا اور اس کے پاس ایک باغ بھی تھا۔ جس میں مختلف پھلوں مثلاً آم، امرود، سیب، سنگترے، مالٹے، انگور، شہتوت وغیرہ کے درخت تھے سب درخت خوب پھل دیتے تھے اور کسان ان پھلوں سے لدے ہوئے درختوں کو دیکھ کر خوش ہوتا کہ اس کی محنت کی وجہ سے درخت پھل دے رہے ہیں۔

اتفاق سے ان میں ایک سیب کا درخت تھا جو اب پھل نہیں دے رہا تھا۔ وہ درخت بوڑھا ہو چکا تھا۔ اس لیے پھل دینے کی عمر سے گزر چکا تھا اس کے باوجود اس درخت کا فائدہ تھا۔ مختلف پرندے، چڑیاں و طوطے وغیرہ اس پر بیٹھتے، پیارے پیارے گیت گاتے گرمیوں میں بھی درخت ان کو سایہ دیتا اور سورج کی تپش سے بچاتا ان کو ٹھنڈک پہنچاتا۔

ایک دن اچانک کسان کو باغ میں کام کرتے ہوئے اس سیب کے درخت پر غصہ آ گیا اور کہنے لگا یہ درخت بالکل بے کار ہو گیا ایک عرصے سے پھل نہیں دے رہا ہے، بہتر یہ ہے کہ اب اس کو کاٹ دیا جائے وہ درخت کو کاٹنے کے لیے کلہاڑا لے آیا جب پرندوں نے کسان کے ہاتھ میں کلہاڑا دیکھا تو سہم گئے ان کو کسان کے ارادوں کا پتہ چل گیا۔ پرندے پریشان ہو گئے کہ وہ اب کہاں اپنا ٹھکانہ تلاش کریں گے۔؟ انھوں نے کسان سے التجا کی:

اے نیک بخت کسان! تم اس سیب کے درخت کو کاٹنے کا ارادہ ترک کر دو۔ اگر تم اس درخت کو ختم کر دو گے تو ہماری جائے پناہ بھی ختم ہو جائے گی۔ ہمیں کسی اور جگہ پناہ ڈھونڈنی پڑے گی۔ ہم تم کو پیاری پیاری میٹھی میٹھی آواز میں گیت سناتے ہیں جب تم ہمارے گیت سنتے ہو تو زیادہ لگن سے کام کرتے ہو ہمارے جانے کے بعد کون تمھیں گیت سنائے گا۔؟ افسوس کہ کسان نے پرندوں کی ایک نہ سنی اور ان کی التجا ماننے سے انکار کر دیا۔ پھر اس نے

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

کلہاڑے سے درخت کے تنے پر زور سے دو چار ضربیں لگائیں تو کیا دیکھتا ہے۔ بوڑھے درخت کا تنا اندر سے خالی ہے مگر اس خلا میں شہد کی مکھیوں کا چھتہ ہے اور وہ چھتہ شہد سے بھرا ہوا ہے۔ شہد سے لبریز چھتہ دیکھ کر کسان کی خوشی کی انتہائی نہ رہی۔ وہ غصے و غضب کی بجائے اب خوشی سے آپے سے باہر ہو رہا تھا۔ فوراً اپنا کلہاڑا یہ کہتے ہوئے زمین پر پھینک دیا:

اس بوڑھے درخت کو اب میں کبھی نہیں کاٹوں گا۔ مجھے کیا معلوم کہ یہ اتنے کام کی چیز تھی۔ اب یہ درخت اپنی ہمراہی باغ میں اسی جگہ پوری کرے گا۔ دیکھا ساتھیو! شہد کو دیکھ کر انسان کی کھوپڑی میں تھوڑی سی عقل آ گئی کہ کوئی چیز بیکار نہیں ہوتی۔ آپ بھی اپنی پرانی چیزوں خصوصاً اپنی پرانی کتابیں سنبھال کر رکھا کریں کیا معلوم آپ کو کون سی کتاب کی ضرورت امتحانات کی تیاری کے سلسلے میں پڑ جائے۔

نیشنل بک فاؤنڈیشن سے اوّل انعام یافتہ

محمد شعیب خان کا لکھا ہوا ڈرامہ

"پھول کی پتی سے کٹ سکتا ہے ہیرے کا جگر"

کتابی صورت میں شائع ہو گیا ہے

صفحات 56..... قیمت 50 روپے

آج ہی طلب کریں

رابطہ ماہنامہ انوکھی کہانیاں پی او بکس 4252 کراچی۔

آلودگی

محمد امتیاز عارف لاہور

ہے فضا میں کس قدر آلودگی میرے خدا!
راہ چلتے سانس لینا بھی مشکل ہوا

ہر جگہ اور ہر طرف آلودگی کا زور ہے
انجنوں کا شور ہے اور گاڑیوں کا شور ہے

ہے فضا میں گرد اور دھوئیں کی بُو ایسی رچی
سانس لینے کے لیے تازہ ہوا عنقا ہوئی

کارخانوں سے نکلتے پانیوں میں زہر ہے
یہ زمین کے واسطے گویا خدائی قہر ہے

ختم کرنا ہے ہمیشہ کے لیے آلودگی
مت کرو وہ کام کہ جس سے بڑھے آلودگی

آب آلودہ، دھواں اور ہارن کا ہر سمت شور
دور ہو آلودگی گر ٹوٹ جائے ان کا زور

ملک سے آلودگی کو یوں بھگانا چاہیے
چپے چپے پہ شجر اب تو لگانا چاہیے

بے ضرورت اب درختوں کو نہ ہرگز کاٹیے
چل نہ پائے سوکھ کر جو شاخ ان کو چھانٹیے

ان درختوں کو ہوا تازگی ملتی رہے
ختم ہو آلودگی سب کو صحت ملتی رہے

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

خلیل جبار

موت سے پہلے

اس ریگستانی علاقے میں تیز دھوپ اور اڑتی ہوئی گرم گرم ریت نے مجھے ادھ موا کر کے رکھ دیا تھا۔ پیاس کی شدت سے حلق ایسا ہو گیا تھا کہ جیسے کوئی پھانس سی پھنس گئی ہو۔ آنکھوں کی حالت بھی ایسی ہو گئی تھی کہ جیسے ابھی باہر نکل پڑیں گی۔ ٹانگوں نے مزید چلنے سے انکار کر دیا تھا۔ میں نڈھال ہو کر ایک جگہ گر پڑا۔ اچانک ایک جانب سے گدھوں کا ایک گروپ کہیں سے اڑتا ہوا وہاں پہنچ گیا۔ مجھے اس حالت میں دیکھ کر وہ گروپ ٹھہر گیا۔ اور فضا میں چکر لگانے لگا۔ شاید انہیں یہ احساس ہو گیا تھا کہ میں آخری سانسیں لے رہا ہوں اور کسی وقت بھی میرا سانس رک سکتا ہے ایسے میں انہیں ان کی مطلوبہ غذا آسانی سے فراہم ہو جائے گی۔ ایک گدھ نے بڑی تیزی سے میری طرف غوطہ مارا اور نیچے پہنچ کر مجھ سے کچھ فاصلے پر بیٹھ کر غور سے مجھے دیکھنے لگا۔ شاید وہ یہ اندازہ کرنا چاہ رہا تھا کہ میں مر چکا ہوں یا ابھی مرنے میں کچھ وقت لگے گا۔ اس سے قبل کہ وہ مجھ زندہ پر حملہ کرے میں نے اپنے جسم کی پوری قوت لگا کے

اٹھنے کی بھرپور کوشش کی۔ میں ابھی ذرا سا اٹھا تھا کہ میری ہمت جواب دے گئی اور میں دوبارہ گر پڑا گدھ مجھے اٹھتا دیکھ کر اڑا اور دوبارہ سے فضا میں چکر کاٹنے لگا۔

وہ منحوس نقشہ عاقل کے ہاتھ نہ لگتا تو شاید ہمارے ساتھ یہ نوبت نہ آتی۔ عاقل کو وہ چمڑے پر بنا ہوا نقشہ ایک آثار قدیمہ کی پرانی عمارت سے ملا تھا۔ اسے بچپن ہی سے پرانی عمارتیں اور آثار قدیمہ کے کھنڈرات دیکھنے کا بہت شوق تھا۔ ایک روز عاقل میرے پاس آیا تو وہ بہت خوش تھا۔ وہ آتے ہی بولا۔ "دوست مبارک ہو۔"

"کیسی مبارکباد؟" میں نے پوچھا۔

"بھئی بات یہ ہے کہ مجھے ایک پرانی عمارت سے خزانے کا نقشہ ملا ہے۔" اس نے اپنی جیب سے ایک چمڑے پر بنا ہوا نقشہ نکال کر میز پر بچھا دیا۔ "کیوں ہے نا خوشی کی بات۔"

"عاقل اس نقشے کے چکر میں مت پڑو ان خزانوں کے چکر میں جو کوئی بھی پڑا ہے۔ وہ بڑی مشکلات میں گھر کر تباہ و برباد ہوا ہے۔ بہت کم ایسا ہوا ہے کہ لوگ اپنے اس مقصد میں کامیاب ہوئے ہیں۔ ہم لوگوں کے اچھے خاصے کاروبار چل رہے ہیں یہی سب کچھ ہمارے لئے کسی خزانے سے کم نہیں ہے۔"

"تمہاری بات بالکل ٹھیک ہے مگر یار دیکھو اگر کوئی راستے میں پڑی ہوئی چیز مل جائے تو اسے ٹھکرانا بے وقوفی اور حماقت ہے۔ ہمیں خزانے کا نقشہ مل گیا ہے تو ہمیں تھوڑی ہمت کوشش تو کر کے دیکھنا چاہیے۔ اگر کامیاب نہ ہوئے تو کم از کم تفریح ہی ہو جائے گی۔"

مجھے اچھی طرح سے یہ بات معلوم تھی کہ ایک بار جب عاقل کو کسی بات کی دھن سوار ہو جائے تو اسے کیے بغیر نہیں چھوڑتا۔ نا چاہتے ہوئے بھی اس نے مجھے خزانے کی تلاش میں شامل کر لیا اسی دوران عاقل کی ملاقات جہانگیر اور توقیر سے ہوئی وہ کئی مہمات اور خزانے کی تلاش میں مختلف لوگوں کے ساتھ جا چکے تھے مگر وہ اپنی عیاشیوں کی بدولت تمام رقم اڑا چکے تھے۔ دو چار ملاقات ہونے پر ہی سب اس بات پر متفق ہو گئے۔ ہمیں وہ خزانہ حاصل کر لینا چاہیے پروگرام کے مطابق ہم نے تیاری مکمل کر لی اور دریائے سندھ کے راستے ہم لوگ اپنی لانچ کے ذریعے اس جزیرے پر پہنچنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ دور دور تک ناریل کے درخت اور جھاڑیاں نظر آ رہی تھیں۔ لانچ سے اتر کر ہم نے لانچ کو ایک محفوظ مقام پر چھپا دیا۔ اس کام سے فارغ ہو کر نقشے کی مدد سے جزیرے میں ہم لوگ آگے بڑھنے لگے۔ ایک جگہ پہنچ کر ہمیں رک جانا پڑا ہماری مطلوبہ جگہ آ گئی تھی۔ وہ ایک پرانی عمارت تھی۔ جو اتنی بوسیدہ ہو چکی تھی کہ اس کے کئی حصے منہدم ہو چکے تھے۔ مین گیٹ کو دیمک چاٹ چکی تھی۔ اندرونی حصے میں روشنی بڑے بڑے

itsurdu.blogspot.com
itsurdu.blogspot.com
itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

سوراخوں سے چھن چھن کر آرہی تھی۔ کافی عرصے بند رہنے کی وجہ سے اس عمارت کے کمروں میں سے بدبو آرہی تھی۔

"جب تک ہمیں وہ خزانہ نہیں مل جاتا ہمیں اسی عمارت میں رہنا پڑے گا۔" توقیر نے مجھے ناک سے رومال لگاتا دیکھ کر کہا۔

"تو کیا ہمیں کچھ دن یہاں قیام بھی کرنا ہوگا۔" میں نے تھوک نگلتے ہوئے کہا۔

"ہاں اس کی وجہ یہ ہے کہ عمارت تک تو نقشہ بالکل صحیح ہے مگر چونکہ اس نقشے کو بہت زیادہ مرتبہ کھولا اور موڑا گیا ہے جس کی وجہ سے خزانے کی جو اصل جگہ ہے وہاں سے نشان مٹ سا گیا ہے۔ لہٰذا مجبوراً جب تک ہمیں خزانہ نہیں مل جاتا۔ یہاں قیام کرنا پڑے گا۔" توقیر نے وضاحت کی۔

"مجھے تو اس عمارت سے ہی خوف سا آرہا ہے۔" عاقل نے اس خوفناک عمارت کی دیکھتے ہوئے کہا۔

"بہرحال چاہے ڈر لگے یا بدبو ستائے قیام تو ہمیں یہاں کرنا پڑے گا۔" جہانگیر نے چھت پر ایک اچٹتی نظری نگاہ ڈالی۔

اس عمارت کی چھتوں اور دیواروں پر جگہ جگہ مکڑیوں نے جالے بنائے ہوئے تھے۔ فرش مٹی سے اٹا ہوا تھا۔

"ہمیں جس کمرے میں سونا ہے اس کے لئے ایک کمرہ منتخب کر کے اس کی صفائی کر لینا چاہئے کیونکہ اس وقت دن کا وقت ہے اس لئے صفائی کرنے میں آسانی رہے گی۔" توقیر نے مشورہ دیا۔

میں بھی تمہاری اس بات سے اتفاق کروں گا۔" میں نے صورتحال کی نزاکت سمجھتے ہوئے کہا۔

اس عمارت کے تمام کمرے دیکھنے پر ہمیں ایک کمرہ مناسب لگا۔ وہ کافی بڑا تھا۔ ہوا بھی باآسانی اندر آرہی تھی۔ اس کمرے کی صفائی کرنے میں ہمیں زیادہ وقت نہیں لگا۔ صرف آدھے گھنٹے میں کمرہ بالکل صاف ہو چکا تھا۔ صفائی سے فارغ ہو کر ہم لوگ سمندر کے کنارے نہانے کے لئے چلے گئے۔ نہانے سے ہماری تھکن کسی حد تک جاتی رہی تھی۔ کچھ دیر کے لئے ہم سیر کو نکل گئے۔

رات ہونے پر ہم اس کمرے میں آکر اپنے اپنے بستروں پر لیٹ گئے۔ تھکن کی وجہ سے بستروں پر لیٹتے ہی ہم سب نیند کی وادیوں میں کھو گئے۔ اچانک ہمیں کسی کی چیخنے کی آواز سنائی دی۔ سب ہڑبڑا کر اٹھ کھڑے ہو گئے۔ عاقل نے لالٹین کی روشنی کو تیز کیا تو ہم سب دھک سے رہ گئے۔ توقیر اپنے بستر پر بری طرح تڑپ رہا تھا۔ اس سے کچھ فاصلے پر ایک کالے رنگ کا بچھو باہر کی طرف تیزی سے رینگ رہا تھا۔ جسامت کے لحاظ سے اتنا بڑا بچھو ہم نے کبھی نہیں دیکھا

تھا۔ اس سے قبل کہ ہم اسے مارتے چند منٹوں میں وہ غائب ہو گیا تو توقیر نے آہستہ آہستہ تڑپنا کم کر دیا۔ اس کی آنکھوں کو دیکھ کر ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ وہ جیسے ابھی باہر نکل کر گر پڑیں گی۔ منہ سے کالا پانی بہہ رہا تھا۔ ابھی ہم اس کشمکش میں مبتلا تھے کہ توقیر نے دم توڑ دیا۔

توقیر کے مرنے کا ہمیں بڑا افسوس ہوا مگر ہم بھی سوائے افسوس کے اور کر بھی کیا سکتے تھے اس کی لاش کو ہمارا واپس لے جانے کا پروگرام تھا۔ اس لئے اس لاش کو ہم نے اٹھا کر ایک کمرے میں رکھ دیا۔ صبح ہونے تک ہم میں سے کسی کو بھی نیند نہیں آسکی۔ سب اس واقعے سے بری طرح خوفزدہ تھے۔ ایسی صورت میں ہم سب کا سونا خطرے سے خالی نہ تھا۔ صبح ناشتے سے فارغ ہو کر ہم نے خزانے کی تلاش شروع کر دی۔ نقشے کے مطابق خزانہ ایک تہہ خانے میں تھا۔ اس روز کافی کوشش کے باوجود ہم اس تہہ خانے کو ڈھونڈنے سے قاصر رہے۔ رات ہونے پر یہ طے پایا کہ ایک جاگے گا باقی سب سوئیں گے۔ جاگنے کی ذمہ داری عاقل نے لے لی اور ہم دونوں سو گئے۔ رات کا نا جانے وہ کون سا پہر تھا۔ پیاس کی شدت سے میری آنکھ کھل گئی۔ آنکھ کھلنے پر سب سے پہلے میری نظر وہاں پڑی جہاں عاقل بیٹھا جاگ رہا تھا۔ اس جگہ اب عاقل موجود نہیں تھا۔ مجھے سخت تشویش ہوئی میں بستر سے اٹھا چاروں طرف نظر دوڑائی مگر عاقل کا کہیں پتا نہیں تھا۔ میں لالٹین اٹھا کر باہر کی طرف آگیا۔ باہر ایک پتھر کے قریب کوئی شخص لیٹا ہوا تھا۔

"ہوں تو یہ صاحب پہرہ دینے کی بجائے باہر سمندر کے ساحل کی ریت پر آرام فرما رہے ہیں۔" میں نے خود کلامی کی۔ اور آہستہ آہستہ قدم بڑھاتا ہوا اس کے پاس پہنچا جب لالٹین کی روشنی اس پر پڑی تو میری چیخ نکل گئی۔ وہ عاقل کی لاش تھی۔ جس کے جسم سے خون بہہ بہہ کر ریت میں جذب ہو چکا تھا۔ اس کے جسم کا گوشت بلی کے سائز کے موٹے موٹے چوہے کھانے میں مگن تھے۔ میری چیخ اور تیز روشنی محسوس ہونے پر انہوں نے مجھے دیکھا تو ادھر ادھر چھپ گئے اس سے قبل کہ خوف کے مارے بے ہوش ہو کر زمین پر گر پڑتا۔ جہانگیر آگیا۔

"کیا ہوا؟" اس نے میری طرف دیکھ کر کہا۔

"یہ... یہ دیکھو۔" میں نے عاقل کی لاش کی طرف اشارہ کیا۔

"پہلی بار کسی خزانے کی تلاش میں آئے ہو جب ہی تمہاری یہ حالت ہو رہی ہے خزانے اگر آسانی سے ملنے لگ جائیں تو پھر ہر شخص خزانے حاصل کر کے امیر نہ بن جائے۔" جہانگیر نے خوفزدہ دیکھ کر کہا۔

"آؤ اس کی لاش اٹھا کر توقیر کی لاش کے برابر رکھ دیں۔" جہانگیر نے عاقل کی لاش کے دونوں پاؤں پکڑ لئے۔

میں خوفزدہ خوفزدہ سا عاقل کی لاش کے قریب گیا اور اس کے دونوں ہاتھ پکڑ کر اٹھایا۔ جہانگیر کے یہ جملے سن کر

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

ناجانے کیوں اب مجھے جہانگیر سے خوف محسوس ہونے لگا تھا۔

پوری رات خوف کی وجہ سے آنکھوں میں کٹی۔ صبح ناشتے سے فارغ ہونے پر جب میں نے جہانگیر سے واپس چلنے کا کہا تو وہ غصہ میں بھر گیا۔

"بالکل احمق شخص ہو تم اتنی دولت کے پاس پہنچ جانے کے بعد اسے یونہی چھوڑ کر بھاگنا چاہتے ہو تم سا بے وقوف میں نے زندگی میں نہیں دیکھا۔"

"جان سے زیادہ کوئی چیز اچھی نہیں ہوتی۔ ہمیں اپنی زندگی کی فکر کرنی چاہیے جان بچ جائے تو ہم اس سے بھی زیادہ دولت کما سکتے ہیں۔"

"فضول بحث کی بجائے ہمیں چاہیے کہ وہ تہہ خانہ تلاش کریں۔ جہاں بے شمار دولت ہماری منتظر ہے۔"

"اتنا طویل سفر بغیر کسی راہ نمائی کے کرنا میرے لئے مشکل تھا اس لئے میں خاموش ہو گیا۔ جہانگیر نے تہہ خانے کی تلاش کا کام دوبارہ شروع کر دیا۔ ابھی اسے تھوڑی دیر ہوئی تھی کہ وہ اس کام کو چھوڑ کر خوش خوش میرے پاس آیا۔

"مبارک ہو ہماری محنت رنگ لے آئی۔"

"کیا تہہ خانہ تم نے تلاش کر لیا ہے۔" میں نے بے یقینی سے کہا۔

"ہاں تہہ خانے کے اندر جانے کا راستہ مل گیا ہے۔ اور میں نے اس کا دروازہ کھول دیا ہے۔ چوں کہ تہہ خانہ کافی دن سے بند ہے اس لئے ہمارا اسکے اندر فوراً داخل ہونا بہتر نہیں ہو گا۔ تہہ خانے کا دروازہ کھلا رہنے سے اس کمرے میں موجود بڑے بڑے سوراخوں سے ہوا تہہ خانے کے اندر جاتی رہے گی۔" جہانگیر نے وضاحت کی۔

دوپہر کے وقت کھانے سے فراغت پا کر ہم دوبارہ اس تہہ خانے والے کمرے میں پہنچ گئے کمرے کی دیوار کے اندر سے نیچے جانے کے لئے سیڑھیاں بنائی گئی تھیں۔

"تم یہیں ٹھہرو میں پہلے اندر داخل ہوتا ہوں جب تک میں تمہیں اندر آنے کے لئے نہ کہوں جب تک نہیں آنا اور ہاں اگر میں تمہیں مدد کے لئے پکاروں تو فوراً پکڑ کر اندر پہنچنا۔" یہ کہتے ہوئے جہانگیر اس تہہ خانے میں نیچے اتر گیا۔ اس کے تہہ خانے میں جانے کے تھوڑی دیر بعد جہانگیر کی چیخیں سنائی دینے لگیں۔ جہانگیر کی چیخیں سن کر مجھ پر ایک خوف سا طاری ہو گیا۔ دل تو چاہ رہا تھا کہ اس منحوس عمارت سے نکل بھاگوں اور کبھی بھول کر یہاں کا رخ نہ کروں مگر جہانگیر کی جان بچانا بھی مقصود تھا۔ اس لئے ڈرتے تہہ خانے میں داخل ہوا نیچے جانے کے لئے سیڑھیاں پھلانگتا ہوا پہنچا تو میری خوف کے مارے چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی۔ میری زبان گنگ ہو گئی تھی۔ ایک خطرناک قسم کے کوبرے سانپ نے

جہانگیر کے جسم کو بل دے کر بری طرح بھینچ دیا تھا۔ خوف سے اس کی آنکھیں باہر کو ابل رہی تھیں جہانگیر کے ہاتھوں سے پھوٹ کر دور جا گری تھی۔ تہہ خانے میں میری موجودگی کو محسوس کرتے ہوئے کوبرے سانپ نے جہانگیر کو چھوڑ دیا۔ اور میری طرف بڑھنے لگا اپنی طرف کوبرے کو بڑھتا دیکھ کر مجھ پر کپکپی طاری ہو گئی۔ نا جانے کیسے مرا ہاتھ پینٹ کی جیب میں رکھے ہوئے ریوالور تک پہنچ گیا۔ دو فائر ہوئے اور کوبرا کئی حصوں میں تقسیم ہو کر ہمیشہ کے لئے ٹھنڈا ہو گیا۔ خوف کے احساس سے کافی دیر تک میں وہیں بت بنا کھڑا رہا۔ جب کچھ خوف کم ہوا تو میں آگے بڑھا۔ جہانگیر کو میں نے ہلا جلا کر دیکھا دل کی دھڑکن کو سنا نبض کو چیک کیا مگر سب بے سود جہانگیر مجھے اس جزیرے پر تنہا چھوڑ کر جا چکا تھا۔ میں نے لالٹین کو اٹھایا اور تہہ خانے کا جائزہ لیا۔ وہ تہہ خانہ بالکل خالی پڑا تھا۔ ایک جگہ مجھے ایک مورتی نظر آئی۔ اس کافی بڑی مورتی کو غور سے دیکھنے پر محسوس ہوا وہ سونے کی مورتی ہے اس مورتی کے نیچے ایک کاغذ پر انگریزی میں کچھ لکھا ہوا تھا۔ کاغذ کو ہاتھ میں لینے پر محسوس ہوا کافی پرانا ہونے کی وجہ سے کافی بوسیدہ ہو چکا ہے۔ میں نے اس کاغذ پر انگریزی میں لکھی ہوئی عبارت کو پڑھنا شروع کیا۔

"اس سونے کی مورتی کو جو بھی حاصل کرنے کی نیت سے اس عمارت میں داخل ہو گا وہ بے شمار پریشانیوں میں مبتلا ہو کر مر جائے گا۔ کسی صورت میں وہ اس تہہ خانے میں پہنچنے میں کامیاب ہو بھی گیا تو وہ اس مورتی کو حاصل کر کے سکون کو ہمیشہ کے لئے خیرباد کہہ دے گا۔ پریشانیاں، غم اور مختلف آفات اس پر نازل ہونا شروع ہو جائیں گی۔ اس مورتی کی نحوست سے لوگوں کو بچانے کے لئے اس تہہ خانے میں رکھا گیا ہے۔ تاکہ کوئی اسے حاصل نہ کر سکے۔ جو بھی شخص اس عبارت کو پڑھے اس مورتی کا خیال فوراً دل سے نکال کر یہاں سے واپس چلا جائے۔ ورنہ دوسری صورت میں پریشانیوں کا خود ذمہ دار ہو گا۔"

فقط اس منحوس مورتی کا مالک۔

"اتنی خوبصورت سونے کی مورتی منحوس ہو سکتی ہے ناممکن سی بات ہے۔" میں نے دل میں سوچا۔ "مجھے اس عبارت کو نظر انداز کر کے اس مورتی کو حاصل کر لینا چاہیے۔ ہو سکتا ہے کہ اس مورتی کے مالک نے جان بوجھ کر عبارت اس لئے لکھی ہو تاکہ اس کے علاوہ کوئی اور اس مورتی کو حاصل نہ کر سکے۔"

میں اس مورتی کو اٹھا کر باہر لے آیا۔ وہ بہت وزنی تھی۔ جھاڑیوں میں سے لالچ کو نکالا اور اس مورتی کو اس میں رکھ کر اپنی منزل کی جانب روانہ ہو گیا اب میں ایک منٹ بھی اس جزیرے پر رہنا نہیں چاہتا۔ لانچ اپنی مخصوص رفتار سے جاری تھی۔ صحیح سمت کا اندازہ تو نہیں تھا بہرحال اپنے ایک اندازے سے لانچ کو چلا رہا تھا۔ موسم بڑا خوشگوار تھا۔

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

رات ہونے پر نیچے سمندر اور اوپر چاند اور تاروں کی روشنی نے ماحول کو بہت اچھا بنا دیا تھا۔ اچانک کالے کالے بادلوں نے آکر پورے ماحول کو سیاہ کر کے رکھ دیا۔ ایسے میں میرا سفر کرنا خطرناک ہو گیا۔ پھر ہلکی ہلکی بوندا باندی شروع ہو گئی۔ میری چھٹی حس نے خطرے کا الارم بجا دیا تھا۔ کچھ ہی دیر گزری تھی کہ بوندا باندی سے تیز بارش کا روپ دھار لیا۔ تیز بارش کی وجہ سے سمندر کے پانی میں جو سکون تھا وہ تباہ ہو گیا تھا بے رحم لہروں میں تیزی آگئی۔ اس تیزی نے ایک طوفان کا رخ دھار لیا۔ میری لانچ پانی کی موجوں کے ساتھ ادھر ادھر ڈول رہی تھی۔ میرا خیال جب اس مورتی کی طرف گیا تو میں نے دیکھا اس اندھیرے گھپ میں اس مورتی کی آنکھوں سے تیز روشنی پھوٹ رہی تھی۔ اس ماحول میں یہ مورتی بڑی عجیب و غریب دکھائی دے رہی تھی ناجانے کیوں اب مجھے اس مورتی سے خوف محسوس ہو رہا تھا اور مجھے اس کاغذ پر لکھی ہوئی وہ عبارت یاد آرہی تھی کہ جو اس مورتی کو حاصل کرنے والے کے بارے میں لکھی ہوئی تھی۔ اس سمندری طوفان میں ایک لانچ پر سفر کرنا واقعی موت کو آواز دینے کے مترادف تھا۔ اچانک مجھے محسوس ہوا کہ میرے پاؤں پانی کے اندر ہیں۔ یہ احساس ہونا خطرے کی گھنٹی تھا۔ میں نے لانچ میں ہاتھ ڈالا وہاں پانی لانچ میں بھر چکا تھا۔ اس پانی کو لانچ سے نہ نکالا جاتا تو لانچ کا ڈوب جانا یقینی تھا۔ میں نے ایک برتن کی مدد سے پانی کو لانچ سے جلدی جلدی نکالنا شروع کر دیا۔ میں لانچ سے پانی نکال رہا تھا اور پانی کی بے رحم موجیں پانی کو واپس لانچ میں پھینک رہی تھیں۔ اچانک میری نظر مورتی پر پڑی اس جگہ اب مورتی نہیں تھی۔ ہاتھ سے اندھیرے میں پوری لانچ میں ٹٹولا مگر کہیں بھی نہیں تھی۔ اس وقت ایک تیز لہر نے لانچ کو فضا میں اچھالا اور جب وہ واپس نیچے کی طرف آئی تو کسی سخت چیز سے زور سے ٹکرا کر کئی حصوں میں تقسیم ہو گئی۔ اور میں سمندر کے پانی میں ڈبکیاں کھانے لگا۔ زندہ رہنے کی امنگ مجھے مسلسل ہاتھ پاؤں مارنے پر مجبور کر رہی تھی۔ اس سے پہلے کہ میرے ہاتھ پاؤں جواب دے جاتے لکڑی کا ایک ٹکڑا میرے ہاتھ میں آگیا۔ میں نے اسے مضبوطی سے پکڑ کر اس پر لیٹ گیا۔ اس کے بعد مجھے کچھ ہوش نہیں رہا۔ جب ہوش آیا تو ساحل پر پایا۔ راستے کی کھوج میں راستہ بھٹک گیا اور اس ریگستان میں آپھنسا۔ اس وقت مجھے پیاس شدت سے محسوس ہو رہی تھی۔ اس وقت اگر کوئی میری دولت کے بدلے پیاس بجھانے کا کہتا تو میں فوراً منظور کر لیتا۔ اچانک ناجانے کیوں مجھے محسوس ہوا کہ اگر میں تھوڑی بہت کوشش کروں تو اس جگہ سے پانی نکل سکتا ہے جینے کی امنگ نے میرے ہاتھوں میں جیسے قوت بھر دی ہو میرے ہاتھ تیزی سے ایک جگہ سے مٹی ہٹانے میں مصروف ہو گئے کافی گہرا گڑھا کھودنے کے باوجود جب اس جگہ سے پانی برآمد نہ ہوا تو میرے تمام حوصلے پست ہو گئے۔ میں بے سدھ ہو کر دوبارہ ریت پر گر پڑا۔ میری آنکھیں سب منظر دیکھ رہی تھیں مگر زندہ اور ہوش میں ہونے کے باوجود حرکت نہیں کر سکتا تھا۔ مجھ پر نقاہت سی طاری ہو چکی تھی وہی گدھ فضا کا ایک لمبا چکر کاٹ کر نیچے آیا اور میری جانب بڑھا میں بے بسی سے اسے اپنی جانب بڑھتا دیکھ رہا تھا۔ مجھے حرکت نہ کرتا دیکھ کر گدھ نے میرے پیٹ پر اپنا زور سے پنجا مارا اور اڑ کر تیزی سے دور جا کر بیٹھا۔ تکلیف کی شدت سے میری چیخ نکلی مگر شاید کمزوری کے باعث چیخ حلق میں ہی پھنس کر رہ گئی تھی۔ میرے پیٹ سے خون بہنے لگ گیا موت لمحہ بہ لمحہ میرے قریب آرہی تھی۔ موت کا خوف اور کمزوری سے میرے حواس جاتے رہے۔ بے ہوش ہونے سے پہلے مجھے اتنا یاد ہے کہ وہ گدھ دوبارہ مجھ پر حملہ کرنے کے لئے پر تول رہا تھا۔

ہوش آیا تو میں ایک اسپتال میں تھا۔ ڈاکٹر ایک کاغذ پر کچھ لکھ رہا تھا جبکہ نرس میرے ہاتھ میں لگی خون کی بوتل ختم ہونے کے انتظار میں تھی۔ مجھے ہوش آتا دیکھ کر ڈاکٹر میری جانب متوجہ ہوا۔

"شکر ہے تمہیں ہوش آگیا۔"

"میں کہاں ہوں۔ یہ کون سا ملک ہے؟" میں نے پوچھا۔

"تم اس وقت تیونس کے مرکزی ہسپتال میں زیر علاج ہو۔"

"میں یہاں کیسے پہنچا۔"

"ہمارے ملک کا ایک سمندری جہاز گزشتہ سمندر میں طوفان آنے سے تباہ ہو گیا تھا۔ اس جہاز میں ہمارے ملک کی مایہ ناز ڈاکٹر بھی سفر کر رہے تھے۔ خوش قسمتی سے وہ بچ گئے ان کے پاس ایک جدید وائرلیس بھی موجود تھا۔ اس وائرلیس کی مدد سے انہوں نے ہم سے رابطہ کیا تو ان کی مدد کے لئے ایک ہیلی کاپٹر روانہ کیا گیا۔ جب انہیں ہیلی کاپٹر کے ذریعے لایا جا رہا تھا کہ تمہیں دیکھ لیا گیا اور تمہیں سمندری جہاز کا مسافر سمجھ کر یہاں لے آئے۔" ڈاکٹر نے تفصیل بتائی۔

"تو میں اس طرح بچ گیا ہوں۔" میں نے کہا۔

"اب تم آرام کرو آپ سے باقی باتیں بعد میں ہوں گی۔" یہ کہتے ہوئے ڈاکٹر نے ایک پرچہ نرس کو تھمایا اور کمرے سے باہر نکل گئے۔

مجھے ایک ہفتے اس ہسپتال میں رہنا پڑا مکمل صحت یاب ہونے کے بعد میں واپس اپنے وطن لوٹ آیا ان واقعات کو گزرے ہوئے کافی عرصہ بیت چکا ہے۔ مگر اب بھی جب بھی یہ واقعات یاد آتے ہیں تو میرے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

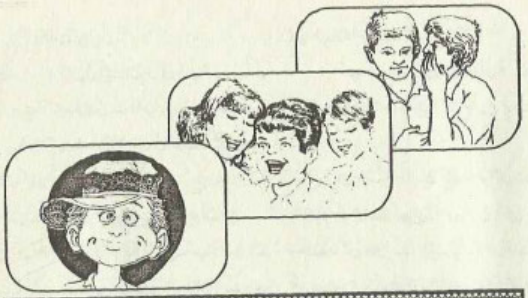

کاٹھ کی ہنڈیا

الطاف حسین

''جناب اس شیطانی ٹولے نے پورے گاؤں کا ناک میں دم کر رکھا ہے.....اب اس کا کوئی ''شافی علاج'' سوچنا ہی پڑے گا۔''

ہم بھی ڈنڈا بغل میں دبائے جیسے ہی گھر کے مرکزی دروازے سے اندر داخل ہوئے اچانک ایک مانوس سی آواز ہمارے کانوں سے ٹکرائی اور ہم جہاں تھے وہیں ٹھٹک کر رہ گئے۔ آواز بیٹھک سے آ رہی تھی اور یہ ''قدم جگڑ قسم کا'' جملہ حمید ڈھول کے والد بزرگوار کے منہ مبارک سے ادا ہوا تھا۔ ہم چوروں کی طرح دبے دبے پاؤں چلتے ہوئے بیٹھک کے قریب آ گئے اور ادھ کھلی کھڑکی پر پڑے پردے کو غیر محسوس انداز سے دائیں طرف سرکا کر اندر دیکھا۔ بیٹھک کے اندر کا منظر کسی ''ہنگامی کانفرنس'' کا نقشہ پیش کر رہا تھا۔ صوفے پر حمید ڈھول، ساجد ککڑ، صابر کچی اور رمضانی چڑی مار کے ابا جان تشریف فرما تھے جبکہ دوسرے صوفے پر گاؤں کے تین کھڑ پینچ قسم کے آدمی بیٹھے تھے اور دونوں صوفوں کے دائیں سروں کے درمیان رکھی کرسی پر ناچیز کے نانا جان تشریف فرما تھے۔

''ابھی پرسوں کی بات ہے اس شیطانی ٹولے نے رمضو دودھ والے کو باتوں میں لگا کر اس کے دودھ کے ٹب میں نمک ملا دیا.....بے چارے رمضو کے سارے دودھ کا ستیاناس ہو گیا'' ساجد ککڑ کے ابا جان نے ہمارے یعنی شیطانی ٹولے کی تازہ ترین

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

''واردات'' بیان کی۔

''ان کی پچھلے ہفتے کی کارستانی آپ نے سُنی ہے؟'' حمید ڈھول کے والد صاحب نے استفساریہ انداز میں ہمارے نانا جان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''نہیں'' نانا جان نے مختصر سا جواب دیا۔

''آپ کو علم ہوگا بھی کیسے آپ تو آج ہفتے بعد شہر سے واپس آئے ہیں'' حمید ڈھول کے والد صاحب بولے ''خیر میں آپ کو بتاتا ہوں۔ اس ٹولے نے تاجے چائے والے کے ہوٹل پر دھاوا بولا۔ تاجا گاہکوں کو چائے سپلائی کرنے میں مصروف تھا... ادھر شیطانی ٹولے کے ایک ''وارداتیے'' نے نظر بچا کر چولہے پر چڑھی چائے کی کیتلی میں پسی ہوئی مرچیں ملا دیں اور اس کے بعد یہ ٹولا نتائج دیکھنے کے لئے ہوٹل کے سامنے جیدے کے پان کے کیبن کے پیچھے چُھپ گیا۔ جب تاجے نے نئے آنے والے گاہکوں کو ''تازہ چائے'' پیش کی تو گاہکوں نے پہلا گھونٹ بھرتے ہی فوراً تھوک دیا اور تاجے سے تلخ کلامی شروع کردی اس سے پہلے کہ بات مارکٹائی تک پہنچتی لوگوں نے آگے بڑھ کر بیچ بچاؤ کرا دیا ورنہ تاجا ہسپتال میں پڑا کراہ رہا ہوتا۔''

''اچھا!... تو یہ احتجاجی وفد ہے جو نانا جان کے کان بھرنے کا مشن لے کر آیا ہے'' ہمارے دماغ میں خطرے کا الارم بجنے لگا۔

''آپ کے خیال میں اس شیطانی ٹولے کا ''شافی علاج'' کیا ہونا چاہیے؟'' نانا جان پوچھ رہے تھے۔

''ان سب کو فوراً سے پہلے ماسٹر شب قدر صاحب کے حوالے کردیں... اس طرح ہمیں دو فائدے حاصل ہوں گے... ایک یہ کہ گاؤں والے سکون سے رہیں گے اور دوسرا فائدہ یہ ہوگا کہ گاؤں میں اَن پڑھوں کی تعداد میں کمی ہو جائے گی'' صابر کپکپی کے والدِ بزرگوار نے وہی تجویز پیش کی جس کا ہمیں ڈر تھا۔

''علاج تو آپ نے اچھا تجویز کیا ہے!'' نانا جان مسکراتے ہوئے بولے۔

''اس شیطانی ٹولے کا اس سے بہتر علاج ہو بھی نہیں سکتا جناب!'' رمضانی چڑی مار کے ابا جان نے تائید بھرے انداز میں کہا ''میں خود بھی ماضی میں ماسٹر شب قدر صاحب کا شاگرد رہ چکا ہوں۔ ان کے عنایت کردہ ''عطیات'' آج بھی میری پیٹھ پر عبرت کے نشان کے طور پر موجود ہیں'' یہ کہتے ہوئے انہوں نے اپنی قمیص اُلٹ کر بید کے نشانات سے بھری پیٹھ بطور ثبوت سب کے سامنے پیش کردی۔ اس ''نقاب کشائی'' پر بیٹھک رنگ برنگے قہقہوں سے گونج اٹھی اور اس لمحہ ہمیں یوں محسوس ہوا جیسے یہ سب لوگ

رمضانی چڑی مار کے ابا جان کے بجائے ہماری بے بسی پر قہقہے لگا رہے ہیں۔

''ٹھیک ہے کل سے آپ سب اپنے اپنے شیطانوں کو انسان بنانے کے پروگرام پر عمل درآمد شروع کر دیجئے چونکہ معاملہ سنگین صورت اختیار کر چکا ہے... اس لئے ہم سب کو لاڈ پیار بالائے طاق رکھتے ہوئے یہ اہم کام پہلی فرصت میں کرنا ہوگا... میں اپنے نواسے کو بھی ماسٹر شب قدر صاحب کے ''ہینڈ اوور'' کروں گا'' نانا جان نے یہ کہتے ہوئے گویا حتمی فیصلے پر مہر ثبت کر دی بلکہ شیطانی ٹولے کی آزادی کو سلب کرنے کا باضابطہ اعلان کر دیا!... اس سے پہلے کہ لوگ اُٹھتے اور بیٹھک سے باہر آتے ہم تیزی سے مڑے اور ہرن کی طرح چوکڑیاں بھرتے ہوئے گھر کے مرکزی دروازے سے باہر نکل کر ایک لمحہ کے لئے رُکے اور پھر ساجد گُھگُھڑ کے گھر کی طرف دوڑ لگا دی۔

☆......☆......☆......☆

ماسٹر شب قدر صاحب، ماہِ رمضان کے آخری عشرے کی چوتھی طاق رات میں پیدا ہوئے تھے جس کی وجہ سے ان کے والد صاحب نے ان کا نام ''شب قدر'' رکھ دیا تھا۔ ماسٹر موصوف پڑھائی لکھائی کے معاملے میں فولاد سے زیادہ سخت طبیعت کے مالک تھے۔ وہ پڑھانے کے بھی ماسٹر تھے اور بگڑے نوابوں کو ''مولا بخش'' کی ردھم پر بغیر ڈگڈگی کے ''بندر ناچ'' نچانے میں بھی اپنا ثانی نہ رکھتے تھے... یوں کہہ لیجئے کہ ماسٹر شب قدر صاحب ہر لحاظ سے مکمل اور تسلیم شدہ ماسٹر تھے! سر سے پاؤں تک ان کی ذات میں ماسٹری ہی ماسٹری جھلکتی تھی۔ سفارش اور تعلقات کی بنیاد پر طالب علم سے رعایت کرنا ان کے خیال میں گناہِ کبیرہ کا درجہ رکھتا تھا۔ وہ قول و فعل کے کھرے تھے۔ سچی بات تو یہ ہے کہ وہ تعلیم کے معاملے میں کسی کا ذرہ برابر لحاظ نہیں کرتے تھے۔ خواہ کوئی گاؤں کے چوہدری کا بیٹا ہو یا غریب مزارے کا لختِ جگر... ان کی نظر میں محمود و ایاز برابری کا درجہ رکھتے تھے۔

☆......☆......☆......☆

''کیا کہہ رہے ہو یار؟... مجھے تو تمہاری گپ پر بالکل یقین نہیں آرہا'' ساجد گُھگُھڑ نے ہماری پیش کردہ ''رپورٹ'' پر عدم اعتماد کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

''فیصلہ ہو چکا ہے بادشاہو!... ایک دو روز میں نہیں بلکہ کل بروز پیر کو تم آج ہونے والی میٹنگ کا ردعمل خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لو گے... جب ہم سب کل ماسٹر شب قدر صاحب کے رُوبرُو بے یار و مددگار بیٹھے ہوں گے... تب تمہیں یقین آجائے گا'' ہم نے رو دینے والے انداز میں ساجد گُھگُھڑ کو

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

دوبارہ خطرے سے خبردار کیا تو اس کے چہرے پر بھی فکرمندی کے آثار دکھائی دینے لگے۔

''اور یہ بات بھی کان کھول کر سُن لو کہ ہمارے بزرگوں کو ہمیں معذور کر کے بھی اسکول میں بھرتی کرنا پڑا تو وہ یہ کام بھی بغیر کسی ہمدردی کے کر گزریں گے... کیونکہ سب نے گاؤں میں اَن پڑھوں کی تعداد کم کرنے کا تہیہ کر لیا ہے'' ہمارے منہ سے یہ دل ہلا دینے والا انکشاف سُن کر ساجد گُگھڑ بالکل ''سُن'' ہو گیا!...اس کے ماتھے پر پسینہ چمکنے لگا اور .....ہونٹوں پر خشکی آ گئی۔ وہ روہانسا ہو کر بولا ''الطاف بھائی! اب کیا ہو گا؟''

''ہو گا کیا؟...ماسٹر شب قدر صاحب ہماری کھالیں اُدھیڑ کر جوتے بنوائیں گے اور گاؤں والوں میں مُفت تقسیم کریں گے!'' ہم نے اُداس لہجے میں جواب دیا۔

''صابر کپکی، حمید ڈھول اور رمضانی چڑی مار کو اس بات کی خبر ہے؟'' ساجد گُگھڑ نے بڑی بے قراری سے پوچھا۔

''میں صرف تم تک پہنچ سکا ہوں ...ٹانگیں ساتھ نہیں دے رہی ہیں...تم انہیں خبردار کر دینا...میں اب چلتا ہوں ...کیونکہ نانا جان بڑی بے چینی سے میری مرمت کرنے کے منتظر ہوں گے اور میں ان کو زیادہ انتظار نہیں کرا سکتا...اچھا اللہ حافظ'' ہم نے کہا اور واپس گھر کی طرف دوڑ لگا دی۔

☆......☆......☆......☆

دوسرے دن نانی جان نے ہمیں اس وقت نیند سے جگا دیا جب ہم چیرے کی مرغی کو یرغمال بنانے ہی والے تھے۔ قصہ مختصر نانی جان کے حکم پر بڑی خالہ نے ہمیں نہلا دھلا کر صاف ستھرے کپڑے پہنا کر سر میں تیل لگانے کے بعد بڑے پیار بھرے انداز میں کنگھی کی۔ ہمارے منہ پر خوش بُو دار کریم لگائی اور پھر نظر لگ جانے کے ڈر سے ہماری تھوتھنی کو تھوڑا سا اوپر اُٹھا کر شہادت کی انگلی سے توے کی کالک لگائی اور ہمارا دایاں ہاتھ نانی جان کے بائیں ہاتھ میں دے دیا اور نانی جان ہمیں مضبوطی سے پکڑے اسکول کی طرف چل دیں۔

انہوں نے اسکول کے قریب واقع تھتو مٹھائی والے سے پُوری سوا کلو مٹھائی خریدی اور ہمیں ساتھ لے کر اسکول کے مرکزی دروازے سے اندر داخل ہوئیں۔

ہم نے اب تک صرف اسکول کا نام ہی سُنا تھا .....اسکول ہوتا کیا ہے؟...اس کا جواب جاننے کی ہم نے کبھی کوشش ہی نہیں کی۔ اسکول کا منظر (کم از کم ہمارے لئے تو) عجیب وغریب تھا۔ احاطے میں گیارہ کمرے بنے ہوئے تھے۔ کچھ کے اندر سے بولنے کی آواز آ رہی تھی جیسے کوئی کسی بات کو سمجھانے کی کوشش

کر رہا ہے جبکہ کچھ کرے مچھلی مارکیٹ کا تاثر دے رہے تھے۔ اسکول کے مرکزی دروازے سے تقریباً دس بارہ گز کے فاصلے پر دو ڈھائی درجن بچے ٹاٹ کی خالی بوریوں پر بیٹھے تختی لکھنے میں مصروف تھے۔ ان بچوں پر نظر پڑتے ہی ہم چونک اُٹھے۔ ہاں... بالکل وہی تھے...صابر کپکی، حمید ڈھول، ساجد گُگھڑ، رمضانی چڑی مار....ہمارے دوست!....جنہیں ان کے لواحقین ہم سے پہلے ہی اسکول میں ''بھرتی '' کر گئے تھے دوسرے لفظوں میں ماسٹر شب قدر صاحب کے حوالے کر گئے تھے!!!۔

''چلو نا...رُک کیوں گئے؟...دیکھو تو تمہارے دوست بھی یہاں پہنچ چکے ہیں'' نانی جان معنی خیز انداز میں ہمیں دیکھتے ہوئے مسکرائیں اور ہم ان کے بھرپور طنز پر اپنا ہی خون پی کر رہ گئے!...بے بس اور مجبور انسان اس کے سوا اور کر بھی کیا سکتا ہے؟

''السلام علیکم ماسٹر جی!'' نانی جان نے مٹھائی کا ڈبہ ماسٹر صاحب کی میز پر رکھتے ہوئے بڑے ادب سے سلام کیا۔

''وعلیکم السلام بہن!'' ماسٹر صاحب نے کڑک لہجے میں سلام کا جواب دیا اور ہمیں یوں محسوس ہوا جیسے بادل گرج رہا ہو۔

''ماسٹر جی!...یہ ہے آپ کا نیا شاگرد'' نانی جان نے ہمارا دایاں ہاتھ ماسٹر صاحب کے دائیں ہاتھ میں تھماتے ہوئے انہیں ''خوش خبری'' سنائی اور ساتھ ہی ہمیں سلام کرنے کا حکم دیا۔

''سلام ماسٹر جی!'' ہم نے جلدی سے سلام کیا۔

''اس طرح سلام نہیں کرتے.....کہو السلام علیکم'' ماسٹر صاحب نے ہمیں گھورتے ہوئے ہدایت کی۔

''السلام علیکم ماسٹر جی!'' ہم نے فوراً ہدایت کے عین مطابق سلام کیا۔

''وعلیکم السلام'' ماسٹر صاحب نے ہمیں گھورنے کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے کڑک لہجے میں سلام کا جواب دیتے ہوئے پوچھا ''کیسے ہو؟''

ہم انہیں کیا جواب دیتے ہم تو دل سمیت اندر سے تھر تھر کانپ رہے تھے۔

''ارے تم نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا میں پوچھا ہے کیسے ہو؟'' ماسٹر صاحب نے لہجے کا کڑک پن برقرار رکھتے ہوئے ہمیں تیز نظروں سے گھورا۔

''جج...جج...جی...ٹھ...ٹھ...ٹھیک ہوں...ماسٹر جی'' ہم جواب میں ممنائے۔

''بہن!...اب آپ بے فکر ہو کر گھر جائیں ہم نے آج سے آپ کے نواسے کو اپنی شاگردی میں لے لیا ہے...لیکن اس کی کیا ضرورت تھی؟'' ماسٹر صاحب

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

نے مٹھائی کے ڈبے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔

''ضرورت تھی ماسٹر جی!... کیونکہ الطاف کے ناناجان نے خصوصی طور تاکید کی تھی کہ خالی ہاتھ نہ جانا ...وہ خود ہی آجاتے لیکن انہیں ایک ضروری کام سے شہر جانا تھا لہذا یہ فریضہ مجھے ہی انجام دینا پڑا'' نانی جان نے وضاحت پیش کی۔

''آج تو ہم اپنے نئے شاگرد کو ''تعارفی نشست'' پر بٹھائیں گے... کل سے آپ کا نواسہ انشاء اللہ باقاعدہ پڑھائی شروع کرے گا'' ماسٹر صاحب نے ہمیں بغور دیکھتے ہوئے نانی جان سے کہا' اب اب آپ یہ سمجھیں کہ آپ کا نواسہ افسر بن کر ہی اسکول سے نکلے۔''

''ہائیں ں ں ں... تو کیا اس وقت تک یہ اسی اسکول میں رہے گا؟'' نانی جان نے پہلے حیرت کا اظہار کیا اور پھر سادگی سے پوچھا۔

''اُفوہ!.. آپ سمجھیں نہیں'' ماسٹر صاحب زچ ہو کر بولے ''میرے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ جب یہ شوق سے اسکول آئے گا ...اور خوب دل لگا کر پڑھے گا تو ہر جماعت کا امتحان اچھے نمبروں سے پاس کرتا رہے گا اور ایک دن اسکول سے دس جماعت پاس کی سند لے کر نکلے گا تو اسے میز کرسی والی بابو ٹائپ ملازمت ملے گی۔''

''اچھا آ آ آ آ آ... تو اب میں گھی یوں بنے گا میرا نواسہ افسر'' نانی جان نے تفصیلات جاننے کے بعد کئی بار اثبات میں سر ہلایا۔

''ٹھیک ہے اب آپ گھر جائیں اور مجھے بچوں کو پڑھانے دیجئے'' ماسٹر صاحب نے رجسٹر کھولتے ہوئے کہا اور نانی جان انہیں سلام کرنے کے بعد اسکول کے مرکزی دروازے سے باہر نکل گئیں۔

''چلو جاؤ بائیں قطار کے آخر میں بیٹھے لڑکوں کے ساتھ بیٹھ جاؤ'' ماسٹر صاحب نے ہمارا نام رجسٹر میں درج کرنے کے بعد ہمیں حکم دیا اور ہم ڈرتے کانپتے اپنے گروپ کے اراکین کے ساتھ بیٹھ گئے۔

ابھی ہمیں بیٹھے چند منٹ ہی گزرے تھے کہ اچانک ماسٹر شب قدر صاحب اپنی کرسی سے اُٹھے اور دائیں بائیں بیٹھے بچوں کے درمیان موجود خالی جگہ پر ''چہل قدمی'' کرتے ہوئے سبق پڑھانے لگے ''آ سے آم ..... الف سے انار .... ب سے بکری .... پ سے پتنگ .... ت سے تالا۔''

''ہائے ئے ئے ئے ئے ... مم ... مم ... ماسٹر جی .... ہائے ہائے'' اچانک دائیں قطار کے جنوبی سرے سے نہایت درد بھری آواز اُبھری۔

''کیا ہوا؟... کون بلبلایا ہے؟... کیا تکلیف ہے؟'' اپنی کرسی کی طرف بڑھتے ماسٹر صاحب نے تیزی سے ''آباؤٹ ٹرن'' کرتے ہوئے ایک ہی

سانس میں تین سوال کر دیے۔ جواب میں ''مقام واردات'' سے ایک ڈلا پتلا لڑکا اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

''کیا ہوا شریفے... تجھے کیا تکلیف پیش آگئی ہے؟'' ماسٹر صاحب ''متاثرہ'' لڑکے کی طرف بڑھتے ہوئے بولے۔

''ماسٹر صاحب!... نادر نے میرے کان پر کاٹ لیا ہے... یہ دیکھیں لہو بھی ''وگ'' (بہہ) رہا ہے'' شریف الدین عرف شریفے نے فریاد کی وجہ بیان کرتے ہوئے نہ صرف ملزم کی نشان دہی کی بلکہ اپنا خون آلود کان بھی بطور ''ثبوت'' ماسٹر صاحب کے آگے کر دیا۔

''کھڑا ہو جا نامعقول'' ماسٹر صاحب نے شریف الدین عرف شریفے کے برابر بیٹھے شرارتی سے لڑکے کو اپنی جگہ چھوڑنے کا حکم دیا اور وہ لڑکا ڈرتا کانپتا کھڑا ہو گیا۔

''کیا تیرے گھر والے کھانے کو روٹی نہیں دیتے جو یہاں چوہے کی طرح اپنے ہم جماعتوں کے کان کترتا ہے؟'' ماسٹر گرجے۔

''جج... جج... جی... جی... ماسٹر جی'' نادر کے منہ سے کانپتی ہوئی آواز نکلی۔

''تیری اس ''جی'' کا میں کیا مطلب سمجھوں؟ ...کہ واقعی ہی تیرے گھر والے تجھے بھوکا رکھتے ہیں؟ ...تجھے کھانے کو کچھ نہیں دیتے؟'' ماسٹر صاحب نے نادر کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھا۔

''جی... جی... جی نہیں ...وہ... وہ ...'' نادر جواب میں گڑبڑا کر رہ گیا۔

''اگر تیرا جواب ''جی'' ہے تو مجھے تجھ سے ہمدردی ہے بھوکے کوئے!...'' ماسٹر صاحب نے قدرے نرم لہجے میں کہا اور اگلے لمحہ ان کا انداز کراچی کے موسم کی طرح یکدم بدل گیا ''جی کا بچہ!'' انہوں نے غصے کی شدت سے لرزتے ہوئے بید لہرایا اور دیکھتے ہی دیکھتے بید نے نادر کی کمر چاٹ لی اور وہ درد سے بلبلاتے ہوئے اپنی جگہ پر دوہرا ہو گیا۔ اس حالت میں بھی ماسٹر صاحب نے ''فل اسٹاپ'' لگائے بغیر یکے بعد دیگرے بید کی تین عدد ضربیں نادر کو لگائیں اور نادر بید کی گرمی کی تاب نہ لاتے ہوئے ذبح ہوتے بھیلے کی طرح ڈکارنے لگا۔

یہ خطرناک صورت حال دیکھ کر ہمارے دل اُچھل کر حلق میں آگئے کیونکہ جس جارحانہ انداز میں ماسٹر صاحب نے نادر کی ''لترول'' کی تھی وہ حمید ڈھول تو برداشت کر سکتا تھا لیکن ہم چاروں کے لئے ناقابل برداشت تھی۔

''بول آئندہ کسی کے کان کاٹے گا؟'' ماسٹر صاحب، نادر سے مخاطب تھے۔

''نن... نن... نہیں مم مم... ماسٹر جی!... میرے ابا جان کی توبہ جو آئندہ ایسی حرکت کروں..... آج کسی

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

طرح معاف کر دیں... دوبارہ آپ کو شکایت کا موقع نہیں دوں... وعدہ کرتا ہوں ماسٹر جی!... پکا اور سچا وعدہ... آئندہ ایسا کبھی نہیں ہوگا" نادر اشکوں سے منہ دھوتے ہوئے اور ہاتھ جوڑ کر مشروط طور پر تائب ہونے کا وعدہ کر رہا تھا۔

"ٹھیک ہے... چل بیٹھ جا" ماسٹر صاحب نے نادر کو بیٹھنے کا اشارہ کیا اور شریف الدین عرف شریفے کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے بولے "شریفے!...... آ میرے ساتھ۔"

ہمارے دیکھا دیکھی ماسٹر صاحب نے اپنی میز کی دراز سے "فرسٹ ایڈ" کا سامان نکالا اور شریفے کے متاثرہ کان پر مرہم لگانے کے بعد اوپر روئی رکھ کر سلوشن ٹیپ چپکا دی۔ اس کام سے فارغ ہونے کے بعد وہ شریفے سے بولے "اب تم اس نادر کے قریب نہ بیٹھنا... ایسا نہ ہو کہ وہ موقع ملتے ہی تمہارا دوسرا کان نہ چبا جائے... بھوکے کی نیت کا کوئی بھروسہ نہیں ہوتا۔"

ماسٹر صاحب کی بات سن کر نادر نے شرم سے گردن جھکالی۔

"مم... مم... مم... ماسٹر جی!" ہمارے منہ سے کانپتی آواز نکلی۔

"کیا تجھے بھی کسی نے کاٹ لیا ہے؟" ماسٹر صاحب دور سے ہمیں گھورتے ہوئے بولے۔

"نہیں تو ماسٹر جی!... مجھے تو پیشاب کرنے جانا ہے" ہم نے مدعا بیان کیا۔

"جاؤ لیکن آنا جلدی... بیت الخلاء وہ سامنے ہے" ماسٹر صاحب نے انگلی سے بائیں طرف دس بارہ گز کے فاصلے پر واقع چھوٹے سے کمرے کی طرف اشارہ کیا۔

"جی بہتر" ہم نے کہا اور تیز تیز چلتے ہوئے بیت الخلاء تک پہنچے۔ دائیں، بائیں، ادھر اُدھر نظر دوڑائی۔ جب ہمیں یقین ہو گیا کہ ہمیں اللہ کے سوا کوئی اور نہیں دیکھ رہا تو ہم انتہائی پھرتی سے بیت الخلاء کے مشرقی کونے کے قریب موجود نیم کے درخت پر چڑھ گئے اور اگلے لمحہ ہم اسکول کی حدود سے باہر تھے۔

☆......☆......☆......☆

انتظار کے لمحات بہت کٹھن ہوتے ہیں!......

انسان ان کو نہیں کاٹتا بلکہ یہ انسان کو کاٹتے ہیں!... اور اس وقت تک کاٹتے رہتے ہیں جب تک انتظار ختم نہیں ہو جاتا۔ ہمیں نانا جان کی حویلی کے اسٹور روم میں چھپے تقریباً چار گھنٹے ہو چکے تھے لیکن ابھی تک باہر سڑک پر بھاگتے بچوں کی آزادی سے بھرپور آوازیں ہمیں سنائی نہیں دی تھیں۔ ہمیں بہر حال ان آوازوں کا انتظار کرنا تھا سو انتظار کرتے رہے.... اور پھر جیسے ہی سڑک پر "انقلاب" آیا ہم چھپتے چھپاتے اسٹور روم سے باہر نکلے اور آزادی کے متوالوں میں جا شامل ہوئے اور جب حویلی کے سامنے پہنچے تو مرکزی دروازے سے اندر داخل ہوئے۔

"وہ آیا میرا افسر بچہ" نانی جان نے ہمیں گھر میں داخل ہوتے دیکھا تو خوشی سے بے قابو ہوتے ہوئے دوڑ کر ہمارے قریب آئیں اور ہمیں اپنے بازوؤں میں بھرتے ہوئے بولیں "آج کیا کیا سبق پڑھ کر آیا ہے میرا نواسہ؟"

"آ سے آم.... الف سے انار.... ب سے بکری...." ہم نے فوراً جواب دیا۔

"اور پ سے...." نانی جان نے جھٹ پوچھا۔

"پ سے پتنگ اور.... اور.... ت سے تالا" ہم جواب دینے میں ایک ہاتھ اور آگے بڑھ گئے۔

"شاباش !!.. شاباش!!!... میرا نواسہ تو بہت ذہین ہے!!" نانی جان نے ہمیں تعریفی نظروں سے دیکھتے ہوئے فخریہ کلمات ادا کیے۔

"جو ماسٹر شب قدر جیسے کہنہ مشق استاد کو غچہ دے کر صبح سے اسٹور میں چھپا ہوا تھا اور کسی کو اس بات کی کانوں کان خبر نہیں ہونے دی وہ ذہین نہیں ہوگا تو اور کیا ہوگا؟" ہم نانی جان کی سادگی پر دل ہی دل میں مسکرائے۔

☆......☆......☆......☆

ہمیں یہ ڈرامہ اسٹیج کرتے ہوئے چھ دن ہو چکے تھے یعنی ہم روز کسی نہ کسی بہانے سے اسکول سے فرار ہو جاتے تھے۔ ہمیں حیرت تو اس بات پر تھی کہ ماسٹر صاحب نے ابھی تک ہمارے "ایکشن" پر کسی قسم کے "ری ایکشن" کا اظہار نہیں کیا تھا۔ ہم روز اسکول سے بھاگتے تھے اور اگلے دن ماسٹر صاحب ایک معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ ہمارا استقبال کرتے تھے جبکہ ہمیں یہ بتایا گیا تھا کہ معافی نام کا کوئی لفظ ان کی لغت میں نہیں ہے تو پھر یہ گنگا اُلٹی کیوں بہہ رہی تھی؟...... یہ نظر انداز کیوں کی جا رہی تھی؟.... اس چشم پوشی کا آخر کیا مطلب تھا؟...... یہ بات ہماری سمجھ میں نہیں آ رہی تھی... ہم جتنا سوچتے تھے مسئلہ اتنا الجھتا جاتا تھا۔ تھک ہار کر ہم نے اس نکتہ پر سوچنا ہی چھوڑ دیا۔

ویک اینڈ کے بعد نانی جان حسب معمول ہمیں اسکول چھوڑ کر گھر چلی گئیں۔ ابھی ماسٹر صاحب نہیں آئے تھے۔

"یار!... تُو نے تو خوب رنگ جمایا ہوا ہے.... ہر روز اسکول سے بھاگ جاتا ہے اور ماسٹر شب قدر صاحب تجھے کچھ کہتے بھی نہیں ہیں" حمید ڈھول ہمارا کندھا تھپتھپاتے ہوئے ہمیں رشک بھری نظروں سے دیکھا اور اپنی "فٹ بال نما" توند پر پیار سے ہاتھ

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

پھیرتے ہوئے بولا" جبکہ ہم چاروں کو اس دوران ماسٹر صاحب دو، دو بار پیٹ چکے ہیں۔"

"تم لوگ بہت بے مروت ہوگئے ہو.. پُورا ایک ہفتہ ہوگیا ہے تم چاروں میں سے ایک بھی مجھ سے ملنے نہیں آیا" ہم نے حمید ڈھول کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے منہ بنالیا۔

"کیسے آئیں تم سے ملنے؟" چاروں یک زبان ہوکر بولے۔

"کیا مطلب؟" ہم نے چاروں کو باری باری حیرت سے دیکھا۔

"گھر جاتے ہیں ...کھانا کھانے کے بعد ہمارے گھر والے ہمارا بایاں ہاتھ، بائیں ٹانگ سے باندھ دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اسی حالت میں اسکول کا کام کرو.... اب تم ہی بتاؤ اس حالت میں ہم تم کو کیسے ملنے آسکتے ہیں" حمید ڈھول کے بجائے ساجد ٹگ ٹگڑ نے رو دینے والے انداز میں نہ ملنے کی وجہ بیان کی۔

"اگر اس حالت میں ہم میں سے کوئی گھر سے باہر نکل آئے تو وہی لوگ ہم پر فقرے کسیں گے اور ہماری بے بسی پر "قبض تو دشم کے" قہقہے لگائیں جن پر کل تک ہم سب ہنسا کرتے تھے" رمضانی چڑی مار بھی سسک اُٹھا۔

"اور یہ بات ہمیں کسی قیمت پر گوارا نہیں"

حمید ڈھول نے ایک بار پھر اپنی فٹ بال نما توند پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ اس کی موٹی گردن اناسے اکڑ گئی تھی۔

"الطاف بھائی!...ہم لوگوں کو کسی کی سخت نظر لگ گئی ہے... آزادی غلامی میں بدل دی گئی ہے.... زندگی کے سارے رنگ پھیکے پڑگئے ہیں!!" صابر کپکپی نے بھی دُکھ بھرے انداز میں گفتگو میں حصہ لیا۔

"چپ ہوجاؤ....ماسٹر شب قدر صاحب تشریف لارہے ہیں" اچانک ایک لڑکے نے قدرے بلند آواز سے خبردار کیا اور "اوپن ایئر کلاس" میں یوں خاموشی چھاگئی کہ اگر اس لمحہ کوئی سوئی بھی زمین پر گراتا تو اس کے گرنے کی آواز صاف سُنائی دیتی۔ ماسٹر صاحب نے کرسی پر بیٹھنے کے بعد سب لڑکوں کو عادتاً باری باری گھورا جیسے سب کی نظروں ہی نظروں میں حاضری لگارہے ہوں۔ جب ان کی تیز نظریں ہم پر پڑیں تو ان کے ہونٹوں پر وہی ناقابل فہم معنی خیز مسکراہٹ اُبھری۔

"الطاف !...اِدھر آؤ بچے....میرے پاس آجاؤ" ان کے لب ہلے اور ہم خاموشی سے اپنی جگہ سے اُٹھے اور تیز تیز چلتے ہوئے اپنا "جسدِ خاکی" ماسٹر صاحب کے سامنے پیش کردیا۔

"یہاں بیٹھ جاؤ" انہوں نے ہمیں اپنی کرسی کے دائیں جانب بیٹھنے کا اشارہ کیا اور ہم نے فوراً حکم

کی تعمیل کی۔ اس کے بعد انہوں نے ہمیں بغور دیکھتے ہوئے اپنے کرتے کی بغلی جیب سے ریشم کی ڈوری نکالی اور اس کا ایک سرا ہمارے بائیں ہاتھ سے باندھ کر دوسرا سرا اپنی کرسی کے ساتھ باندھ دیا۔

"لے بھئی بھگوڑے!...آج سے تُو روزانہ اسی حالت میں علم حاصل کرے گا.... ہر ملک کی کوئی سرحد ہوتی ہے اور ہر بات اور ہر کام کی کوئی حد ہوتی ہے جب وہ حد گزر جائے تو پھر انسان کو ذہنی طور پر نتائج کا سامنا کرنے کے لئے تیار رہنا چاہیے .....میں نے تجھے کافی مہلت دی لیکن تُو اپنی حرکت سے باز نہیں آیا اور مجھے مجبور کرکے دم لیا۔" ماسٹر صاحب نے "کاروائی" مکمل کرنے کے بعد ہمیں وہ "اصل نکتہ" سمجھایا جسے ہم نے کچھ دن سوچنے کے بعد نظر انداز کردیا تھا۔

"چلو قاعدہ نکالو" ماسٹر صاحب نے نیا حکم دیا۔

ہم نے جلدی سے دائیں ہاتھ سے اپنے بستے سے قاعدہ نکال کر اپنے سامنے رکھ دیا۔

"پڑھو... آ سے آم" ماسٹر صاحب نے ہمیں سبق پڑھانا شروع کیا۔

"پپ...پڑھو... آ سے آم" ہم نے ڈرتے کانپتے ہوئے، ماسٹر صاحب کے الفاظ دہرائے۔

"صرف آ سے آم بول...آم" ماسٹر صاحب نے تصحیح کرتے ہوئے ہمیں سمجھایا۔

"صرف آ سے آم بول...آم" ہم نے تھوک نگلتے ہوئے پھر وہی حماقت کی۔

"نالائق...احمق کی دُم...اُلو....گستاخ .....بے ادب...بدتمیز...اُستاد کا مذاق اُڑاتا ہے" ماسٹر صاحب غصّے کی شدت سے کانپ اُٹھے اور اگلے لمحہ انہوں نے بغیر گنے ہوئے ہماری کمر پر (ہمارے شمار کے مطابق) دس عدد بید رسید کردیے اور ہم تکلیف سے نون غنہ بن گئے۔

"بول آ سے آم" ماسٹر صاحب گرجے اور اب کی بار ہم نے حماقت کئے بغیر جلدی سے کہا "آ سے آم۔"

"شاباش!...شاباش!!...جان بوجھ کر مستی کر رہا تھا۔" ماسٹر صاحب مسکراتے ہوئے بولے "اب آگے پڑھ الف سے انار.....ب سے بکری.....پ سے پتنگ....اور ت سے تالا۔" ہم نے دائیں ہاتھ سے پیٹھ سہلاتے ہوئے اگلے الفاظ پڑھ دیے۔

"اس سبق کو اچھی طرح یاد کر اور پندرہ منٹ بعد مجھے سُنانا...پھر مزید سبق دوں گا" ماسٹر صاحب نے تاکید کی اور ہم نے جواب میں سر ہلادیا اور اُونچی آواز میں سبق یاد کرنے لگے" آ سے آم...الف سے انار....ب سے بکری.....پ سے پتنگ....اور ت سے تالا۔"

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

پندرہ منٹ بعد ہم نے خوب رٹا لگانے کے بعد ماسٹر صاحب کو سبق سنایا اور انہوں نے ہمیں اگلے پانچ حرف یاد کرنے کے لئے دے دیے۔

☆......☆......☆......☆

جوں ہی تیسرے پیریڈ کی گھنٹی بجی ہم اپنی جگہ چھوڑ کر اُٹھ کھڑے ہوئے حالت یہ تھی کہ ہمارے جسم کا بایاں حصہ ماسٹر صاحب کی کرسی کی طرف جھکا ہوا تھا۔

''کیا تکلیف ہے؟'' ماسٹر صاحب نے ہمیں گھور کر دیکھتے ہوئے پوچھا۔

ہم نے زبان سے جواب دینے کے بجائے چھوٹی انگلی اُٹھا دی۔

''برکتے!........ اِدھر آ'' ماسٹر صاحب نے اسکول کے مرکزی دروازے کے قریب کرسی پر بیٹھے چپڑاسی کو باآواز بلند پکارا۔

''جی ماسٹر جی!'' برکت عرف برکتے دوڑتا ہوا ماسٹر صاحب کی میز کے سامنے آ کھڑا ہوا۔

''لے بھئی برکتے!... صاحب کو ذرا بیت الخلاء تک لے جائے... یہ کچھ وقت وہاں گزارنے کا خواہش مند ہے'' ماسٹر صاحب اپنی کرسی سے ریشمی ڈوری کھول کر برکتے کے ہاتھ میں تھماتے ہوئے بولے ''اس کا خاص خیال رکھنا۔''

''ماسٹر جی!... آپ نے اسے باندھا ہوا کیوں ہے؟'' برکت نے ڈوری کے دوسرے سرے پر بندھے ''قیدی'' کو بغور دیکھتے ہوئے ماسٹر صاحب سے پوچھا۔

''اسی لئے تو کہا ہے کہ اس کا خاص خیال رکھنا .... یہ اعلیٰ درجے کا بھگوڑا ہے... پیر کے دن اسے اسکول میں داخل کیا گیا تھا اور یہ اسی دن سے اسکول سے بھاگ رہا تھا.... میں جان بوجھ کر اسے نظر انداز کر رہا تھا کہ شاید یہ خود ہی سدھر جائے گا لیکن لاتوں کے بھوت بھلا باتوں سے کب مانتے ہیں... آج پروگرام کے مطابق اسے باندھ کر علم سکھا رہا ہوں'' ماسٹر صاحب نے ہمیں طنزیہ انداز میں دیکھتے ہوئے برکتے کو تفصیلات سے آگاہ کیا۔

''اوہ!... تو یہ بات ہے.... ویسے ماسٹر جی آپ کی پالیسی کا جواب نہیں... پہلے تو بندے کو خوب ڈھیل دیتے ہیں اور پھر ایک دم رسہ کھینچ لیتے ہیں اور بندہ سیدھا منہ کے بل گرتا ہے.... واہ!... کیا بات ہے آپ کی!!'' برکت خوشامد کی رَو میں بہتا چلا گیا اور ماسٹر صاحب جواب میں دھیرے سے مسکرا دیے۔

بیت الخلاء تک جانا تو محض بہانا تھا اصل مقصد تو اسکول سے بھاگ جانا تھا لیکن برکت کی ہوشیاری کی وجہ سے ہم اپنے سوچ کو عملی جامہ نہ پہنا سکے اور کچھ دیر بیت الخلاء میں گزار کر نامراد لوٹ آئے۔ برکت نے ہمیں دوبارہ کرسی سے باندھ دیا۔

ہمیں وقت چیونٹی کی رفتار سے گزرتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ اس لمحہ ہمیں شدت سے یہ احساس ہوا کہ جیلوں میں قیدی کس قدر اذیت سے اپنا وقت گزراتے ہیں۔ خدا خدا کر کے وقفے کی گھنٹی بجی اور ہم سمجھے کہ ماسٹر صاحب ہمارا قصور معاف کر کے ہمیں مشروط طور پر ''رہا'' کر دیں گے لیکن جیسا ہم سوچ رہے تھے ویسا ہوا نہیں ماسٹر صاحب نے برکت کو بلا کر کرسی سے ڈوری کھول کر اس کے ہاتھ میں تھماتے ہوئے دھمکی آمیز لہجے میں کہا ''برکتے!... اس کا کیسا خیال رکھنا ہے؟.... میں تجھے کچھ دیر پہلے بتا چکا ہوں .... اور ... ایک بار پھر تجھے خبردار کرتا ہوں کہ اس کا اپنی جان سے بھی زیادہ خیال رکھنا... اگر یہ تیرے ہاتھ سے بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گیا تو چھٹی کے بعد میں تجھے شام چھ بجے تک درخت سے اُلٹا لٹکا کر رکھوں گا۔''

''[illegible] فکر ہی نہ کریں ماسٹر جی!... برکت کوئی کچی گولیاں نہیں کھیلا ہوا... اگر اس نے بھاگنے کی ہلکی سی بھی کوشش کی تو اسے وہ ''دھوبی پاٹ'' دوں گا کہ ساری زندگی یاد رکھے گا'' برکت نے ڈوری کا دوسرا سرا اپنے بائیں ہاتھ کی کلائی سے باندھتے ہوئے ماسٹر صاحب کو اطمینان دلایا اور ماسٹر صاحب ہمیں طنزیہ نظروں سے دیکھتے ہوئے ''اسٹاف روم'' کی طرف بڑھ گئے۔

اسکول کے سارے بچے ہمیں اس ''حال'' میں دیکھ کر کھلے دل سے ہمارا مذاق اُڑا رہے تھے اور طنزیہ جملوں سے ہمیں ذہنی طور پر ''ٹارچر'' کر رہے تھے۔ خیر تو خیر ہمارے اپنے لنگوٹیے یار حمید ڈھول، رمضانی چڑی مار، صابر کپکپی اور ساجد گھنگھرو بھی اس کام میں برابر شریک تھے اور ہم دل ہی دل میں ان سب کو صلواتیں سناتے ہوئے اُس وقت کو کوس رہے تھے جب ہم نے پہلی بار اسکول سے بھاگنے کی حماقت کی تھی۔ قصہ مختصر وہ پورا ہفتہ ہم نے رسی سے نتھی ہو کر علم حاصل کیا اور دوسرے بچے بلا ناغہ ہمارا مذاق اُڑاتے رہے۔ جب اگلا ہفتہ شروع ہوا تو ہم نے ماسٹر جی کے رُوبرُو سچے دل سے آئندہ کبھی اسکول سے نہ بھاگنے اور خوب دل لگا کر پڑھنے کا وعدہ کیا تو انہوں نے ہمیں ریشمی ڈوری سے باعزت طور پر رہا کر دیا!... اور اس کے بعد ہم نے کبھی بھول کر بھی اسکول سے بھاگنے کی احمقانہ حرکت نہیں کی اور ہمیشہ کے لئے شیطانی کاموں سے تائب ہو کر اللہ کے نیک بندے بن گئے!... آخر میں بھگوڑوں کو ہماری نصیحت ہے کہ اس سے پہلے کہ بُرا وقت آئے اور آپ کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہیں.... اس ''علم دشمن کارروائی'' سے آج ہی توبہ کر لیں کیونکہ ''کاٹھ کی ہنڈیا ''بار بار نہیں چڑھتی جھوٹ اور دغابازی کے جھنڈے کو ایک نہ ایک دن سرنگوں ہونا ہی پڑتا ہے!

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

صحت

صحت سے ہے قائم حسیں زندگانی
حسیں زندگی ہے صحت کی نشانی

صحت ہی پہ ہے منحصر شادمانی
صحت ہی پہ موقوف ہے کامرانی

صحت ہی سے ہے زندگی میں اُجالا
اسی کا ہے بس ہر طرف بول بالا

صحت ہی سے قائم ہے انساں کی عظمت
صحت گر نہ ہو تو ہے بیکار دولت

صحت میں ہے پوشیدہ انساں کا جوہر
صحت ہے حقیقت میں انمول گوہر

یہ وہ ہے جو مفلس کو خوش حال کر دے
مسرت کے پھولوں سے دامن کو بھر دے

ہے لازم کرو تم صحت کی حفاظت
اسی میں نہاں جسم و جاں کی ہے طاقت

صحت کی ہمیشہ کرو قدر یارو
صحت سے تم اس زندگی کو سنوارو

نہیں اس سے بڑھ کر کوئی اور دولت
صحت ہے خدا کی اک انمول نعمت

عباس العزم

خوابِ خرگوش

تحریر: رضیہ خانم

یہ ہیں مسٹر خرگوش۔ پیار سے ان کو ''گوشو'' کہتے ہیں۔ خرگوش بڑا پیارا اور بھولا بھالا پالتو جانور ہے۔ اس کا تعلق میمل Mammal برادری کے جانوروں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو بڑا خوب صورت بنایا ہے۔ سفید رنگ کا خرگوش بہت ہی دل کش لگتا ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے یکدم روئی کا بنا ہو۔ اس کی کھال نہایت نرم و ملائم ہوتی ہے انگریز لوگ اس کی کھال کی Fur اپنے کوٹ کی کالر پر لگواتے ہیں اور یہ خاصی مہنگی ہوتی ہے۔

یہ خرگوش اتنا نیک ہے کہ اپنے کام بھی خود کرتا ہے مثلاً زمین کے اندر گہری کھوہ کھود کر اپنا گھر خود بناتا ہے۔ تازہ گھاس اور پودوں کی کونپلیں اس کی مرغوب غذا ہیں۔ گاجر بھی شوق سے کھاتا ہے۔ بچوں کے قاعدہ پر جس جانور کے منہ میں گاجر ہوگی وہ یقیناً مسٹر خرگوش ہی ہوگا۔ اس کے کان ذرا لمبے ہوتے ہیں اور یہ لمبے کان ہر وقت ایسے کھڑے ہوتے ہیں جیسے کسی خطرے کا الارم دے رہے ہوں پھر مزے کی بات یہ ہے کہ اس کے دوڑنے کا انداز نرالا ہے یعنی یہ چھلانگ لگانے کے انداز میں ایسے دوڑتا ہے جیسے ہم خواتین ہائی جمپ High jump لگاتی ہیں۔

اس کے بارے میں افسوس کی بات ایک ہی ہے کہ ایک دفعہ زندگی میں مسٹر خرگوش کے دادا جان سے ایک بڑی غلطی ہو گئی تھی۔ وہ کیسے۔؟

ہوا یوں کہ خرگوش اور کچھوے میں دوڑ کی شرط لگ گئی کہ فلاں پُل کے پاس کون پہلے پہنچے گا مسٹر خرگوش تو دوڑنے میں تیز تھے ہی...... لیکن کچھ راستہ طے کرنے کے بعد سوچا 'ابھی کچھوے میاں تو بہت پیچھے ہیں تھوڑا آرام کر لیتے ہیں آرام کرنے کے بہانے گہری نیند سو گئے۔ کچھوے میاں بڑے سکون و خاموشی سے خرگوش کے قریب سے گزر گئے اور پُل پر اپنی کامیابی کا جھنڈا لگا دیا۔ جب مسٹر خرگوش منزل پر پہنچے تو وہ اپنی غفلت پر بے حد نادم ہوئے بس پھر کیا تھا۔؟ اسی دن سے ''گوشو'' کی ذات کے ساتھ خوابِ خرگوش کا محاورا منسوب ہو گیا۔ ہم انسانوں سے بھی ایسی غلطیاں ہو جاتی ہیں۔ مثلاً ہمارے اپنے اہل کارپوریشن اکثر و بیشتر ''خوابِ خرگوش'' میں رہتے ہیں۔ اس لیے تو ان کو شہروں میں 'گلیوں میں 'سڑکوں کے کناروں پر گندگی کے ڈھیر دکھائی نہیں دیتے ورنہ یہ ضرور صفائی کا انتظام کریں۔ خیر کوئی بات نہیں گستاخی معاف کبھی تو بیدار ہوں گے۔ انشاءاللہ۔

itsurdu.blogspot.com
itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

اب زمانہ بدل گیا ہے اس کے بعد گوشو کی آل اولاد نے کبھی ایسی غلطی نہیں کی۔ بلکہ اب تو ہر بات کو سمجھنے اور پرکھنے کی سوجھ بوجھ آ گئی ہے۔ اب گوشو کے چھوٹو کے اسکول جانے کا وقت ہوا چاہتا ہے۔ بچو! آپ بھی اسکول جانے کی تیاری کریں……

☆……☆……☆

دوا اور دعا

صبا احمد، واہ کینٹ

فرحین آج بہت غصے میں بیٹھی تھی۔ اسکول سے آتے ہی اپنے کمرے میں گھس گئی اور کھانا بھی نہیں کھایا۔

آج فرحین اور معزا کے رزلٹ ڈے تھا، وہ دونوں بہنیں ایک ہی کلاس میں پڑھتی تھیں۔ معزا اپنی کلاس میں ہمیشہ کی طرح اول آئی تھی جب کہ فرحین ہمیشہ کی طرح دوسرے نمبر پر تھی۔

جب معزا کھانا کھا کر کمرے میں آئی تو فرحین کو روتا ہوا پایا۔

''کیا ہوا فرحین؟'' معزا نے پوچھا۔

''میں کتنی محنت کرتی ہوں پرچوں کے لیے، سب کام چھوڑ کر صرف پڑھائی پر توجہ دیتی ہوں، لیکن پھر بھی میں دوسرے نمبر پر اور تم پورے دن میں چار پانچ گھنٹے پڑھتی ہو پھر بھی تم اول آ جاتی ہو'' فرحین نے اس سے شکوہ کیا۔ اسے اول نہ آنے کا بہت دکھ ہوا تھا۔

''دیکھو فرحین! صرف دوا سے کام نہیں چلتا دعا بھی ضروری ہے، تم سارا دن پڑھتی ہو اور اگر کوئی غلطی سے تم سے بات کرنے کی کوشش کرے تو تم اسے کاٹ کھانے کو دوڑتی ہو، تمہیں معلوم ہے تم سب کا دل دکھاتی ہو، پھر تم نماز بھی پابندی سے نہیں پڑھتی''

''اگر میں پڑھائی کرتی ہوں تو ساتھ دوسروں کے حقوق کا خیال بھی رکھتی ہوں اور پھر میں جو محنت کرتی ہوں، اللہ تعالیٰ سے اُس کا صلہ مانگتی ہوں؛ پڑھائی بھی پوری کرو اور اپنے رب کو بھی یاد رکھو اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرو'' کہ اللہ تعالیٰ تمہیں کامیابی سے ہمکنار کرے آمین''

''اور چلو اب موڈ ٹھیک کرو آؤ فٹ بال کھیلتے ہیں۔ معزا نے بات ختم کر کے کہا تو فرحین مسکرا دی اور اُسے یقین تھا کہ اگلے امتحان میں کامیابی اُسی کی منتظر ہے اور اللہ تعالیٰ اُسے کبھی مایوس نہیں کرے گا۔

قلمی خبر نامہ

ابن وصی

ہمیشہ کی طرح بہت بہت شکریہ آپ سب قارئین کی محبتوں کا، رفاقتوں کا، شگفتوں کا اور عنایتوں کا۔ قلمی خبرنامے کی بزم دراصل ہماری اور آپ سب کی محفل ہے۔ اس محفل میں ہر اس شخص کو داخلے کی اجازت ہے کہ جو ادب پرست ہو اور اگر بچوں کے ادب سے تعلق رکھتا ہو تو کیا کہنے۔ ہم اس موقع پر کہنا چاہئیں گے کہ قلمی خبرنامے کی اصل کامیابی آپ لوگوں کی مرہون منت ہے۔ آپ لوگ ہمیں قلمی خبرنامے کے لیے بذریعہ خطوط اور sms یا پھر کالز کے ذریعے ادبی خبریں بھجواتے رہتے ہیں اور ہم انہی خبروں کی بنیاد پر قلمی خبرنامے کو آپ لوگوں کے لیے تحریر کا روپ دیتے ہیں۔ ہمارا رابطہ آپ سے محض چند نمبروں کی دوری پر ہے اور وہ نمبر ہے 0300-9214194 تو پر شریک ہوتے ہیں اپنی محبت بھری دنیا کی سیر۔

ہمیں ایم ایس ایم ایس پر مزمل صدیقی نے یہ خبر دی کہ ڈسٹرکٹ بدین۔ سندھ میں ''PEACE'' ہیں ہارٹ ہاسپٹل'' نے کام کرنا شروع کر دیا ہے۔ یہ پاکستان کا پہلا اور ایشیا کا تیسرا ہسپتال ہے کہ جہاں ''دل میں سوراخ'' والے بچوں کا علاج مفت کیا جائے گا۔ برائے رابطہ فون نمبر 029-7861504.029-7861505

چونکہ یہ فلاحی کام ہے اس لیے ہم نے اس خبر کو قلمی خبرنامے میں سب سے پہلے شامل کیا ہے۔

☆ڈاکٹر سید نعیم ادیب جعفری نے ہمیں sms پر مطلع کیا کہ بچوں کے ادب کی منفرد شناخت سہ ماہی ''ادیب'' عنقریب اپنی اشاعت کا آغاز کر رہا ہے۔ تمام لکھاریوں سے گزارش ہے کہ ڈاکٹر سید نعیم ادیب کو اپنی تحریریں ارسال کریں تاکہ پرچے کی بروقت اشاعت ممکن ہو سکے۔ ڈاکٹر نعیم ادیب کا موبائل نمبر 0322-3816602۔

☆ڈرامہ نگار بچوں کے بہترین لکھاری جدون ادیب کی دوسری ٹیلی فلم نرگس تیری خیر نہیں۔ جلد ٹیلی ویژن سے کاسٹ کی جائے گی۔ یاد رہے کہ جدون ادیب کی اس سے پہلی کاوش بھی ٹیلی ویژن کی دنیا میں کامیاب ہو چکی ہے۔ ہماری دعائیں اور نیک تمنائیں جدون ادیب کے ہمراہ ہیں۔

☆انقلابی شاعر عارف شفیق کے نئے شعری مجموعے ''یقین'' کی تقریب رونمائی کراچی کے ایک مقامی لان میں منعقد ہوئی جس میں شعراء اور اہل علم شخصیات نے شرکت کی۔ نمایاں طور پر سرشار صدیقی، پیرزادہ قاسم، انوار احمد زئی، غازی صلاح الدین، سیما غزل، رشید جمال، ارشد حسین اور رضوان جعفر کے نام

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

نظر آئے۔

☆ پشاور سے تعلق رکھنے والے ضیاء اللہ اعوان نے ہمیں sms پر بتایا کہ ان کے امتحانات ہو رہے ہیں اور کامیابی کی دعاؤں کے متمنی ہیں۔ (کامیاب رہو سدا)

☆ گزشتہ ماہ محمد انوار احمد کی رہائش گاہ پر، اشرف بھٹوی، غلام محی الدین ترک اور سید صفدر رضا رضوی نے حاضری دی۔ انوار صاحب روایتی مہمان نوازی کے تمام تر حربوں سے لیس تھے۔ پرتکلف ناشتے کا انتظام تھا۔ محمد انوار احمد ماشاء اللہ بہت ملنسار طبیعت کے مالک ہیں۔ اگر چہ آج کل ان کی طبیعت کچھ صحیح نہیں رہتی۔ مگر پھر بھی چاق و چوبند رہتے ہیں۔ محمد انوار احمد نے 1954 میں میٹرک پاس کیا تھا۔ اس کے بعد 1962 میں CMIBP، پھر اسی سال B.COM، پھر 1964 میں ایل ایل بی، 1967 میں DAIBP، 1979 میں ایم اے اکنامکس 1995 میں ایم اے معارف اسلامی کیا۔ محمد انوار احمد کی پہلی کہانی ستمبر 1958 میں ماہنامہ بھائی جان کراچی میں شائع ہوئی۔ اس کے بعد فروری 1959 میں ان کی پہلی نظم "بچوں کی دنیا" میں شائع ہوئی ساتھ ساتھ تعلیم و تربیت میں بھی، پھر یہ سلسلہ چل نکلا جو اب تک جاری ہے۔ بے شمار تحریریں شائع ہو چکی ہیں۔ ان کی کتب میں شوخیاں اور مسکراہٹیں 2005 میں، منزل پاکستان 2006 میں۔ میٹھے بول (۱) اور میٹھے بول (۲) میٹھے بول (۳) 2007 میں پک پک پاکستان 2008، رحمت العالمین اور داستان پاکستان 2008 میں شائع ہوئیں۔ ان کی دو کتابیں صدارتی ایوارڈ یافتہ ہیں اور باقی ایوارڈ یافتہ ہیں۔ پھر ایک ہفتے بعد صفدر رضا اور غلام محی الدین ترک کے ہمراہ نوشاد عادل بھی تھے۔

☆ پشاور سے تعلق رکھنے والے ماہنامہ گلونہ کے ایڈیٹر عمران یوسف زئی نے بتایا کہ جولائی میں ماہنامہ گلونہ کا سائنس فکشن نمبر آرہا ہے جس میں شامل ہونے کے لیے جلد از جلد اپنی تحریریں ارسال کریں۔

کرن کرن روشنی کے ادبی چینل کی خبر کے مطابق کرن کرن روشنی کا خاص شمارہ "استاد نمبر" ہاتھوں ہاتھوں بک گیا ہے۔

☆ چلڈرن پوسٹ کے لیے ادبی نیوز اور بچوں کے ادب سے وابستہ مسائل کی خبریں ارسال کرنے کے لیے V i s i t کریں۔

childrenpost@gmail.com

☆ جون کے مہینے میں صداقت حسین ساجد نے لاہور کا دورہ کیا اور لاہور سے تعلق رکھنے والے کئی ادیبوں سے ملاقات بھی کی۔ ماشاء اللہ صداقت حسین ساجد بہت زیادہ اور خوب لکھ رہے ہیں۔ (اللہ کرے زور قلم اور زیادہ ہو)

☆ گزشتہ کسی شمارے میں ہم آپ سے خالد حسن کا تعارف کروا چکے ہیں۔ آج کل خالد حسن ریڈیو پاکستان کے متعدد پروگراموں کی اسکرپٹ رائٹنگ کے فرائض سر انجام دینے کے ساتھ بطور میزبان بھی ریڈیو پر کام کر رہے ہیں۔ ساتھ ساتھ ڈاکٹر انعام الحق (کوئٹہ) کی کتاب "بچہ مسلم لیگ" کو ڈرامائی شکل دینے میں بھی مصروف ہیں جو جلد کسی ٹی وی چینل سے نشر کیا جائے گا۔ اس کے علاوہ خالد حسن ایک نجی ٹی وی کے لیے کارٹون Voice over دے رہے ہیں ان ادبی سرگرمیوں کے علاوہ خالد ایک بین الاقوامی ادویہ ساز کمپنی کے Q.C ڈپارٹمنٹ میں بھی کام کر رہے ہیں۔ جہاں سید صفدر رضا بھی کام کرتے ہیں۔ سنا ہے خالد حسن کا وفاقی اردو یونیورسٹی سے ایم ایس کرنے کا ارادہ بھی ہے۔ گزشتہ ماہ خالد حسن اور سہیل احمد خان (جدون ادیب) نے مزار قائد پر ملاقات کی۔ اس ملاقات کے دوران دونوں نے بچوں کے ادب کو مزید بہتر بنانے پر اپنے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ تحریک پاکستان میں بچوں کے کردار پر لکھے جانے والے ڈراموں کی اسکرپٹ رائٹنگ کے لیے جدون ادیب نے بحیثیت ایک سینئر ڈرامہ نگار خالد حسن کو مشورے دیے۔ دونوں حضرات نے بچوں کے لیے ٹیلی فلم بنانے کا بھی ارادہ ظاہر کیا ہے۔

☆ اور اپنی شادی کے بعد غائب ہو جانے والے ندیم اختر "لیہ" نے ہمیں sms پر خبر دی تھی کہ معروف ادیب اور تعمیر ادب کے چیف ایڈیٹر عبداللہ نظامی ادب کی دنیا میں تہلکہ مچانے کے بعد اب فلمی دنیا میں تہلکہ مچانے والے ہیں۔ وہ سرائیکی فلم "بدلہ" میں اپنی اداکاری کے جوہر دکھانے والے ہیں۔ جس میں دیگر کاسٹ بھی مشہور معروف ستاروں کی ہے۔

☆ لندن سے ڈاکٹر عمران مشتاق نے طویل دورانیے کی کال کے دوران ادب اور ادبی سرگرمیوں پر اظہار خیال کیا۔ ڈاکٹر عمران مشتاق کے مطابق۔ بچوں کے سینئر ادیب نہ صرف اپنی عزت کروائیں بلکہ دوسروں کو بھی عزت دیں۔ ادیب صرف ادیب ہوتا ہے۔ یہاں کہانیوں کی تعداد سے اس کے سینئر ہونے کا کوئی تعلق نہیں۔ دراصل علم ہی ایک ایسی دولت ہے کہ جس پر ذہنی استطاعت کا فارمولا لاگو ہو سکتا ہے۔ علم انبیاء کی میراث ہے۔ ڈاکٹر عمران مشتاق نے اور بھی بہت ساری باتیں کر کے ہمارا دل تو جیتا ہی ہے مگر ان کے اچھے اخلاق، ادب پرستی اور بچوں کے لیے خوب صورت اور معیاری کہانیوں کی مسلسل تخلیق نے انہیں قارئین سے اور بھی قریب کر دیا ہے۔ ہماری دعائیں آپ کے ساتھ ہیں ڈاکٹر صاحب۔

☆ قارئین کراچی سے تعلق رکھنے والی قلمکاروں کی تنظیم "گائیڈ" کے زیر اہتمام ایک فکری نشست سید صفدر رضا رضوی کے گھر منعقد ہوئی جس میں

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

مندرجہ ذیل موضوعات زیر بحث آئے۔

☆ملتان سے مسلسل شائع ہونے والے رسالے ''کرن کرن روشنی'' کو باقاعدہ اشاعت کا سرکاری اجازت نامہ مل گیا ہے۔کرن کرن روشنی ملتان سے پہلا باقاعدہ اردو ماہنامہ بن گیا ہے۔اس موقع پر متعدد ادیبوں نے علی عمران ممتاز کو مبارک بادی ہے۔

☆علم وادب دوست تنظیم ''گائیڈ'' Guide کی تنظیم نو کے بعد متعدد ادیبوں نے شمولیت اور مکمل تعاون کا یقین دلایا ہے۔جن میں اسامہ احمد، کراچی۔علی عمران ممتاز، ملتان۔شبیر ناقد، ڈی جی خان۔مشتاق حسین قادری، کراچی۔سعید سعیدی، کراچی۔فہیم عالم، لاہور۔ طارق ریاض خان، لاہور۔ یاسمین حفیظ، کراچی۔محمود غزالی، آزاد کشمیر۔ ابوشفقت، شورکوٹ۔عارف شین روہیلہ' حیدرآباد۔ غلام حسین میمن' حیدرآباد۔خلیل جبار' حیدرآباد۔عطا المصطفیٰ سعید' ہری پور۔رضیہ خانم' سیالکوٹ۔عماران یوسف زئی' پشاور۔محمد فاروق دانش' حیدرآباد۔ وجاہت علی' حیدرآباد۔محمد وسیم خان' حیدرآباد۔رضوان بھٹی' محراب پور۔صداقت حسین ساجد' شورکوٹ۔محمد علی' اسلام آباد۔سائرہ غفار' کراچی۔حافظ حمزہ شہزاد' پیرل میرانی' سکھر۔ضیاء الحسن ضیا' کراچی۔محمد انوار احمد' شاہد حفیظ' میلسی۔

☆گزشتہ دنوں پشاور میں خیبر سپر مارکیٹ کی تباہی میں ماہنامہ گلونہ کا آفس تباہ ہوگیا۔خوش قسمتی سے کوئی جانی نقصان نہیں ہوا۔متعدد ادیبوں نے عمران یوسف زئی سے اس حادثے پر افسوس کا اظہار کیا ہے۔علاوہ ازیں اسلام آباد میں ہونے والا بم دھماکہ آئی ایٹ' محمد علی کے گھر کے قریب ہوا۔البتہ محمد علی کا گھر محفوظ رہا۔

☆ملتان سے کرن کرن روشنی کے زیر اہتمام بچوں کا اخبار ''اخبار اطفال'' کے نام سے جلد آرہا ہے۔علاوہ ازیں علی عمران ممتاز کی نئی کتاب ''تمہیں آگے بڑھنا ہے'' طباعت کے آخری مراحل میں ہے۔

☆اکادمی ادبیات کے جریدہ سہ ماہی ادبیات کا ''بچوں کا ادب نمبر'' جلد آرہا ہے۔محبوب الٰہی مخمور' مدیر ماہنامہ انوکھی کہانیاں کراچی نے متعدد ادیبوں کی کہانیاں اور کتابیں اکادمی ادبیات کو روانہ کردی ہیں۔

☆انتہائی افسوس کے ساتھ ہم کچھ خبریں دے رہے ہیں۔گزشتہ دنوں بچوں کے نامور ادیب محمد طاہر عمیر (کمالیہ) کے دادا وزیر ارشد کی ممانی اور صداقت حسین ساجد کے انکل کا رضائے الٰہی سے انتقال ہوا۔قارئین سے مرحومین کے لئے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔اللہ تعالیٰ مرحومین کو اپنے جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔

☆بچوں کے پرستان کے مدیر اعلیٰ، بچوں کے ادیب وشاعر امان اللہ نیر شوکت کے بہنوئی کا امریکہ میں انتقال ہوگیا ہے۔ادارہ انوکھی کہانیاں اور محبوب الٰہی مخمور نے امان اللہ نیر شوکت سے دلی تعزیت کا اظہار کیا ہے۔قارئین سے درخواست ہے کہ مرحوم کے لئے دعائے مغفرت فرمائیں۔

☆نارووال سے تعلق رکھنے والے محمد توصیف ملک نے sms پر بتایا ہے کہ بچوں کے پرستان کے اگلے شمارے میں ان کا انٹرویو شامل ہو رہا ہے۔محمد توصیف ملک نے دوبارہ امان اللہ نیر شوکت سے لاہور جاکر ملاقات بھی کی ہے۔محمد توصیف ملک ماشاءاللہ بہت سارے رسائل میں مسلسل لکھ رہے ہیں۔

☆ہمدرد صحت کے جون 2011 کے شمارے میں ڈاکٹر عمران مشتاق کی کتاب آخری راز پر تبصرہ شائع کیا گیا ہے۔تبصرہ پروفیسر عباس العزم نے کیا ہے۔

☆محمد علی' اسلام آباد نے گزشتہ دنوں بچوں کے ادب کا اشاریہ مرتب کیا ہے۔محمد علی کی یہ خاص بات ہے کہ وہ جو کام اپنے ذمہ لیتے ہیں اسے پایہ تکمیل تک ضرور پہنچاتے ہیں۔

☆محمد علی کے بارے میں دوسری خبر یہ ہے کہ وہ جولائی میں کراچی کا دورہ کریں گے۔یہاں وہ متعدد مدیران رسائل اور ادیبوں سے ملاقات کریں گے۔علاوہ ازیں کراچی پہنچنے سے قبل ملتان میں علی عمران ممتاز و دیگر ادیبوں سے ملاقات بھی کریں گے۔کراچی میں نوجوان ادیب محمد علی کے اعزاز میں فروغ اطفال ادب کی تنظیم گائیڈ کی جانب سے استقبالیہ بھی دیا جائے گا۔

☆ماہنامہ گلونہ پشاور کے ایڈیٹر عمران یوسف ان دنوں کراچی کے دورے پر آئے ہوئے ہیں جہاں وہ متعدد مدیران رسائل اور ادیبوں سے ملاقات کریں گے جن میں محبوب الٰہی مخمور' نوشاد عادل' مقصود رسا رضوی' غلام محی الدین ترک' نجیب احمد حنفی' شمعون قیصر' علی حسن ساجد' ایم مجاہد خان' محمد سعید سعیدی' محمد مشتاق قادری' الطاف حسین' سید رفیع الزماں شامل ہیں۔

☆گزشتہ دنوں جدون ادیب' ضیاء الحسن ضیا اور مشتاق حسین قادری نے مدیر انوکھی کہانیاں محبوب الٰہی مخمور سے ملاقات کی۔

☆صداقت حسین ساجد کی پانچ کتابوں کی اشاعت بہت جلد ممکن ہے۔اس سلسلے میں ان کی بات چیت کراچی اور لاہور کے ناشران سے چل رہی ہے۔

☆ بچوں کے نئے اور پرانے قلم کاروں اور شاعروں سے چند تجاویز پر رائے لی جارہی ہے۔اس کا مقصد صرف اور صرف بعض معاملات میں بہتری اور شکایات کو دور کرنا ہے، کیوں کہ پاکستان میں بچوں کے ادب کے فروغ کے لیے کام کرنے والے ادارے بدقسمتی سے ایک دو ہی ہیں، جو مقدور بھر خدمات انجام دے رہے ہیں۔اُن میں سب سے مقبول اور فعل ادارہ دعوۃ اکیڈمی ہے۔یہ ادارہ کافی سالوں سے بچوں کے ادب میں اپنی خدمات انجام دے رہا ہے، لیکن وقت کے

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

ساتھ ساتھ دعوۃ اکیڈمی کے کاموں میں کچھ تبدیلیوں کی ضرورت محسوس کی جارہی ہے۔ اب تک اس کے زیادہ تر کام اسی انداز میں کیے جارہے ہیں، جو 25 سال پہلے کیے جاتے تھے۔ ہم قلم کاروں کی رائے لے کر من وعن دعوۃ اکیڈمی تک پہنچائیں گے۔ اس کے لیے ایک سروے کیا جارہا ہے۔ پھر واضح کیا جاتا ہے کہ اس کا مقصد صرف دعوۃ اکیڈمی پر تنقید نہیں اور نہ کسی فرد واحد کو فائدہ پہنچانا ہے، بلکہ اتفاق رائے سے چند تجاویز دعوۃ اکیڈمی تک پہنچانا ہے۔

☆ پاکستان میں بچوں کے نامور اور سینئر قلم کاروں میں مسعود احمد برکاتی، سید صفدر علی، اشتیاق احمد، ڈاکٹر رضوان ثاقب، ضیاء الحسن ضیاء، بیگم ثاقبہ رحیم الدین، اشرف ڈھوی، تنویر پھول، امان اللہ نیر شوکت، ظہور الدین بٹ کے علاوہ اور بھی دیگر قلم کار شامل ہیں۔ دعوۃ اکیڈمی کی جانب سے مندرجہ بالا قلم کاروں کو سراہنے کی کوئی خبر سننے میں نہیں آتی۔ دعوۃ اکیڈمی ہر سال اپنے مخصوص چہروں اور ناموں کو سراہتے ہوئے ایوارڈز کے لیے نامزد کرتی ہے۔ کیا بچوں کے ادب کو اپنے قیمتی وقت اور تحریروں سے سینچنے والے بزرگ اور سینئر قلم کار یہ حق نہیں رکھتے کہ دعوۃ اکیڈمی اپنے تعلقات کو بروئے کار لاتے ہوئے ان قلم کاروں کو ایوارڈز دے اور انھیں بین الاقوامی سطح پر منوائے۔ محمد انوار احمد اور مسعود احمد برکاتی جیسے قلم کار جنھوں نے اپنا اوڑھنا بچھونا ہی بچوں کے ادب کو بنا رکھا ہے، اور اس راہ میں چلتے چلتے وہ ساٹھ سال سے زائد مسافت طے کر چکے ہیں، لہٰذا جو لوگ بچوں کے ادب کی چھ عشروں سے خدمت کر رہے ہیں، کیا ان کا حق نہیں کہ انھیں خراج تحسین پیش کیا جائے۔ لہٰذا ہم دعوۃ اکیڈمی سے یہ پرزور اپیل کرتے ہیں کہ بزرگ اور سینئر قلم کاروں کو ملکی اور غیر ملکی سطح پر خراج تحسین پیش کیا جائے اور انھیں life time achievement ایوارڈ سے نوازا جائے اور ساتھ ساتھ نئے لکھنے والے قلم کاروں کو بھی ایوارڈز اور ریوارڈز Awards & Rewards کی صورت میں سراہا جائے۔ اس بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

☆ دعوۃ اکیڈمی کے اورینٹ ایوارڈ کے لیے اکثر یہ اشتہارات چھپتے ہیں کہ مختلف کیٹیگریز میں اپنی تین شائع شدہ تحریروں کی فوٹو کاپی دعوۃ اکیڈمی کو بھجوائیں۔ یہاں یہ بات قابل گرفت ہے کہ دعوۃ اکیڈمی کا تو کام ہی بچوں کے ادب کا جائزہ لینا ہے۔ دعوۃ اکیڈمی کے پاس تو شائع شدہ میگزین اور ساری تحریروں کا ریکارڈ موجود ہوتا ہے اور ہونا چاہیے۔ دعوۃ اور اس کی جیوری کو خود معلوم ہونا چاہیے کہ گزشتہ سال کی بہترین تحریروں کو کس کے حساب سے منتخب کیا جائے۔ کم از کم پرانے لکھنے والوں سے تو ہر سال کی کہانیوں کی فوٹو اسٹیٹ کاپی نہ منگوائی جائے۔ یوں قلم کار کے لیے یہ ایک

سرپرائز بھی ہوگا کہ وہ اپنی تحریروں کے بل بوتے پر انعام کا حق دار قرار پایا۔

☆ دعوۃ اکیڈمی کے منعقدہ کیمپ میں ایک اور بات کی گئی ہے کہ ہر سال مخصوص جیوری اور مخصوص لیکچرارز کو اس تقریب میں مدعو کیا جاتا ہے۔ کیا مختلف کیٹیگریز میں دعوۃ اکیڈمی کے پاس دوسرے لیکچرارز نہیں ہیں۔ مثال کے طور پر نظموں اور کہانیوں کے لیے نئے قلم کاروں کو لیکچرار کے طور پر تربیت دینے کے لیے محمد انوار احمد، ضیاء الحسن ضیاء، علی حسن ساجد، محبوب الٰہی مخمور، ڈاکٹر طارق ریاض خان، عمران یوسف زئی، پروفیسر مجیب ظفر انوار حمیدی، مصطفیٰ چاند، شعیب مرزا، شاہد حفیظ، ناصر زیدی، رانا راشد علی خان، جدون ادیب، کاشف شفیع، حنیف سحر، ابن آس، غلام حسین میمن، اکرام صدیقی، محمد وسیم خان، فاروق دانش اور خلیل جبار جیسے قلم کاروں کو کیوں نہیں مدعو کیا جاسکتا۔ کیا یہ لوگ بہترین تحریریں تخلیق کرتے کرتے بہترین لیکچرار ثابت نہیں ہوسکتے۔ ہر قلم کار اپنے تجربات کی روشنی میں نئے خیالات اور نئے احساسات کو کرسکتا ہے۔ دعوۃ اکیڈمی سے پرزور درخواست ہے کہ اگلے کیمپ میں نئے لیکچرار اور نئی جیوری کی خدمات حاصل کی جائیں۔ یہ بات درست ہے کہ ہر قلم کار اچھا لیکچرار نہیں ہوسکتا، لیکن جب تک انھیں آزمایا نہیں جائے گا تو کیسے علم ہوگا کہ وہ لیکچر دے سکتے ہیں یا نہیں۔ اس کے لیے یہ طریقہ بہتر رہے گا کہ پرانے لکھنے والوں سے کہانی، نظم، ڈرامہ اور مضمون کیسے لکھا جائے؟ پر دعوۃ اکیڈمی ڈاک یا ای میل کے ذریعے ان کے مضمون منگوالے اور پھر ماہرین سے پڑھوالے۔ جن قلم کاروں کے مضامین معیار پر پورے اُترتے ہوں انھیں آئندہ کیمپ میں لیکچر کے لیے بلوایا جائے تو مناسب ہوگا۔

☆ کیا دعوۃ اکیڈمی کو ہر تین ماہ بعد بچوں کے رسائل میں اپنی کارکردگی کی رپورٹ شائع کرانا چاہیے کہ انھوں نے کس نئے ادیب یا شاعر کو بچوں کے ادب میں متعارف کرایا یا انھوں نے ان تین مہینوں میں کتنی کتب شائع کیں؟ اس طرح بچوں کے ادیب دعوۃ اکیڈمی کی کارکردگی سے باخبر رہیں گے۔ محض یہ کہہ دینا ہی کافی نہیں ہے کہ دعوۃ اکیڈمی بچوں کے ادب کے لیے کام کر رہا ہے۔ یہ قلم کاروں کا حق ہے کہ انھیں یہ علم ہو کہ دعوۃ اکیڈمی کیا کیا کام کر رہی ہے۔ اس بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

☆ اورینٹ ایوارڈ میں اصلاحات کی ضرورت ہے۔ بعض قلم کار ہر سال یا ہر دوسرے سال کہانی، نظم یا ناول کے شعبے میں ایوارڈ لے جاتے ہیں۔ اس طرح نئے لکھنے والوں کا حق مارا جاتا ہے۔ ہونا یہ چاہیے کہ اگر کسی قلم کار کو ڈرامہ، نظم، کہانی یا ناول کے شعبہ میں ایوارڈ دیا گیا ہو تو پھر اسے کم از کم تین سال تک کسی بھی شعبے میں ایوارڈ نہیں دیا جائے، چاہے وہ اگلے تین

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

سالوں میں کتنی بھی اچھی کہانی، ناول، نظم، مضمون یا ڈراما تخلیق کرے۔ اس طرح تین سال تک نئے قلم کار اور شاعروں کو ایوارڈ ملتا رہے گا۔ اس بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

☆ جو رسالے مشکلات کا شکار ہو کر بند ہو گئے کیا دعوۃ اکیڈمی کو ان کی کوئی مالی امداد کرنا چاہیے تھی؟ یا رسالہ بند ہونے پر کال کر کے معلوم کرنا چاہیے تھا کہ وہ کیوں بند ہو گئے؟ ٹِٹ کھٹ، کھیل کھیل میں اس کی مثال ہیں۔ اس بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

☆ دعوۃ اکیڈمی خواتین قلم کاروں کے لیے کچھ نہیں کر رہی، انعامات میں بھی ان کا حصہ نہیں ہوتا۔ اس سلسلے میں کوئی واضح پالیسی فوری طور پر بنائی جائے۔ اس بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

☆ پہلے کی طرح اب رابطے کرنا مشکل نہیں رہا ہے۔ دعوۃ اکیڈمی کو اپنے کم از کم دو موبائل نمبر جاری کرنے چاہئیں، جن کے ذریعے قلم کار ان سے تازہ ترین معلومات لے سکیں۔ ساتھ ہی اپنی خبریں بھی دے سکیں۔ ساتھ ہی دعوۃ کے پاس قلم کاروں کے موبائل نمبر بھی ہوں، تاکہ انہیں کسی قسم کی کوئی بھی اطلاع بر وقت دی جا سکے۔ یا دعوۃ کچھ ادیبوں تک ایس ایم ایس کے ذریعے اپنا پیغام پہنچا دے۔ اس بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

☆ ہر سال مخصوص نمبر نکلوا کر ان کی بہترین تحریر، مضمون یا نظم پر ایوارڈ و کیش پرائز دینے کے بجائے اگر ہر قلم کار کی سالانہ کارکردگی کو جانچ کر اسے ایوارڈ و کیش پرائز سے نوازا جائے تو یہ مناسب اور بہتر انصاف ہو گا۔ اس میں خاص اس بات کا خیال رکھا جائے کہ انعام کا حق دار کہانیوں کی تعداد سے زیادہ معیار کے مطابق قرار دیا جائے۔ آپ کی کیا رائے ہے؟

ان تجاویز کو تمام پرانے اور نئے لکھنے والوں کی آراء کے بعد دعوۃ اکیڈمی کو بھیجا جائے گا۔ چاہے آپ ان تجاویز سے متفق ہوں یا نہیں، لیکن آپ اپنی رائے ضرور دیں۔ اس کے بعد ہی اس کام کو آگے بڑھایا جائے گا۔

☆ بچوں اور بڑوں کے ادیب صداقت حسین ساجد نے گزشتہ دنوں لاہور میں ممتاز ادیب و مدیر اعلیٰ بچوں کا پرستان امان اللہ نیر شوکت سے ملاقات کی۔ اس موقع پر ممتاز کوکنگ ایکسپرٹ عائشہ خان جو کہ امان اللہ کی صاحبزادی ہیں نے ایک پر تکلف ضیافت کا اہتمام کیا۔ جس میں تمام کھانے عائشہ خان کی ہاتھ کے بنائے ہوئے تھے۔ صداقت حسین ساجد نے امان اللہ نیر کی میزبانی اور عائشہ کے کھانوں کی بے حد تعریف کی ہے۔

☆ بچوں کے گلستان کا تازہ شمارہ نیٹ پر دستیاب ہے۔ اس سائٹ پر ادبی خبریں بھی ملاحظہ کی جا سکتی ہیں۔ آپ بھی وزٹ کریں۔

www.bkgulistan.co.nr

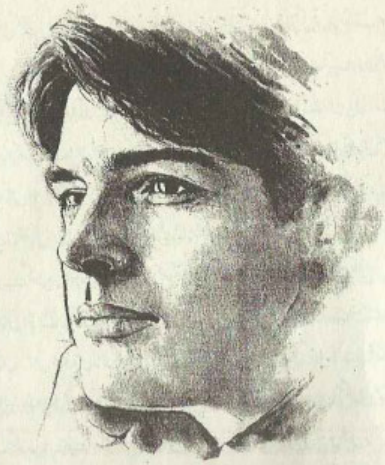

تحفہ

کشف الاکرام صدیقی

وہ دو بہنیں تھیں۔ بڑی کا نام فاخرہ تھا جو اپنے نام کی طرح بڑی مغرور اور کام چور زبان دراز تھی جب کہ چھوٹی بہن کا نام مائدہ تھا۔ وہ بہت سمجھدار، نیک دل، نرم خو اور دوسروں کے کام آنے والی بڑی پیاری بچی تھی۔ ان کی امی ایک بد مزاج، تند خو اور خود پسند عورت تھی۔ اس کا شوہر ایک نیک دل شخص تھا جو کسی اچانک حادثے میں اللہ کو پیارا ہو چکا تھا۔ آپ حیران نہ ہوں کہ ماں اپنے مزاج کے مطابق اپنی بڑی بیٹی فاخرہ ہی کو چاہتی تھی جب کہ مائدہ کو وہ ہر وقت ڈانٹتی رہتی، اور گھر اور باہر کے بھی کام اسی سے کراتی۔

مائدہ کا گھر پہاڑ کے دامن میں واقع ایک چھوٹی سی بستی میں تھا۔ جہاں کے لوگوں کی گزر

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

بسر وہاں قریبی کھیتوں میں اگائی جانے والی فصلوں پر ہوتی تھی۔ پہاڑ کی قریباً نصف اونچائی پر ایک قدرتی ٹھنڈے میٹھے پانی کا چشمہ تھا۔ جس کا پانی اس بستی والوں کے لیے ایک بڑی نعمت سے کم نہ تھا۔ یہ پانی ایک مخصوص رفتار سے نشیب کی طرف بہتا رہتا۔ بہنے والے اس پانی نے ایک تالاب کی شکل اختیار کر لی تھی۔ اس تالاب کا پانی کئی مقاصد کے لیے استعمال ہوتا۔ وہاں بستی کی خواتین کپڑے دھوتیں اور مویشی بھی وہیں سے پانی پیتے، مٹی کے کچے گھر بنانے کے لیے بھی پانی اسی تالاب سے استعمال ہوتا تاہم پینے کے لیے تمام لوگ چشمے کا صاف شفاف پانی استعمال کرتے جو انھیں چشمے سے گھڑوں اور بالٹیوں میں بھر کر لانا پڑتا تھا۔ جلانے کے لیے لکڑیاں اور گوبر کے اوپلے استعمال ہوتے۔ اوپلے وہ لوگ گھروں میں بنا لیتے اور لکڑیاں تھوڑے فاصلے پر موجود جنگل سے مل جاتیں۔ اس سادہ سی زندگی میں وہ لوگ خوش اور مطمئن زندگی گزار رہے تھے۔

ان دونوں لڑکیوں کی ماں جیسا کہ بتایا گیا ہے بڑی غصہ ور اور جھگڑالو عورت تھی۔ اس کے نزدیک شکر، پیار و محبت، نیکی و مروّت کی کوئی اہمیت نہ تھی۔ وہ اپنی بڑی بیٹی فاخرہ سے کوئی کام نہ کہتی لیکن مائدہ سے ہر کام کراتی اور وقت بہ وقت ڈانٹتی بھی۔ کھانا پکانا، گھر بھر کی صفائی، کپڑے دھونا اور چشمے سے پانی بھر کر لانا، سارے کام مائدہ ہی کرتی۔ وہ اتنی پیاری بچی تھی کہ کبھی اپنی ماں اور بڑی بہن کے سامنے اونچی آواز میں بات نہ کرتی۔ وہ خاموشی اور خوش دلی سے سارے کام کرتی۔

ایک دن ماں نے اسے ڈانٹ کر کہا: ”تمھیں معلوم ہونا چاہیے کہ مجھے باہر کسی کام سے جانا ہے اور پینے کا پانی گھر میں موجود نہیں، جا کر پانی کا گھڑا بھر کر لے آؤ۔“

مائدہ اتنی بڑی نہ تھی کہ پانی کا بڑا گھڑا اٹھا سکتی۔ اس نے درمیانہ گھڑا اٹھایا اور پانی لینے چشمے کی طرف چل دی۔

ماں نے اسے خواہ مخواہ ہی ڈانٹ دیا تھا۔ وہ چشمے پر پہنچی تو اس نے دیکھا کہ وہاں کچھ

پرندے پانی پی رہے تھے اور کچھ نہا رہے تھے۔ اسے یہ چھوٹے چھوٹے پرندے اٹھکیلیاں کرتے بہت بھلے لگے اور وہ اس منظر میں کھو سی گئی۔

اسی اثنا میں مائدہ نے دیکھا کہ اس کے نزدیک ایک ضعیف عورت کھڑی ہے۔ اس کے بال بے ترتیب تھے جیسے سوکھی گھاس کے تنکے ہوتے ہیں۔ اس کا لباس بھی میلا کچیلا تھا اور پاؤں کی چپل بھی بہت پرانی اور ٹوٹی ہوئی تھی۔ صرف اس کی آنکھیں نہایت چمک دار تھیں اور اس بات نے اسے ایک لمحے کو حیران کر دیا تھا۔ وہ ایک قابلِ رحم عورت نظر آ رہی تھی۔ نا جانے وہ کون تھی، کہاں سے آئی تھی اور اس کی یہ حالت کس وجہ سے تھی۔

اس ضعیف عورت نے نہایت تُرشی سے کہا: ”اے لڑکی! یہاں اکیلی بیٹھی کیا کر رہی ہے؟ کیا تجھے کوئی کام نہیں؟ چل جلدی سے مجھے پانی پلا۔“

مائدہ کے دل میں اس ضعیف عورت کے لیے پہلی نظر میں ہم دردی پیدا ہوئی تھی لیکن اب اس کے اکھڑ لہجے کو سُن کر وہ بڑی حیران ہوئی تھی تاہم اس نے اپنے اوپر قابو رکھا اور مسکرا کر بڑے نرم لہجے میں کہا: ”اماں جی! آپ تشریف رکھیے، میں ابھی آپ کو پانی پلاتی ہوں۔“

مائدہ ذرا سی دیر میں چشمے سے اپنے مٹکے میں پانی بھر لائی اور اس ضعیف خاتون کو پلانا شروع کر دیا۔

خاتون نے سیر ہو کر پانی پیا۔ اب وہ بوڑھی نظر نہیں آ رہی تھی اور نہ اس کے چہرے پر تناؤ کی کیفیت تھی۔ مائدہ سے بولی: ”تم بہت پیاری اور نیک دل بچی ہو، کیوں نہ تمھیں کوئی انعام دیا جائے۔ تمھارا انعام یہ ہے کہ جب تم بات کرو گی تو تمھارے منہ سے پھول، ہیرے اور دوسرے قیمتی پتھر جھریں گے۔“

اتنا کہہ کر وہ عورت غائب ہو گئی۔

وہ دراصل ایک پری تھی۔

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

مائدہ اس عورت کی بات پر خوش ضرور ہوئی لیکن فی الحال اس بات پر یقین کرنے کی کوئی وجہ نہ تھی۔ اس نے مٹکے میں پانی بھرا اور گھر کی طرف چل دی۔

گھر پہنچی تو ماں نے خوب خبر لی، بولی ”تمھیں جب بھی کوئی کام کہا جاتا ہے، تم اسے کرنے میں بہت دیر لگا دیتی ہو۔ تمھیں میں نے بتایا تھا کہ مجھے کسی کام سے گھر سے باہر جانا ہے لیکن تم نے اتنی دیر کر دی۔ بتاؤ، کہاں تھیں اتنی دیر سے؟ کیا تم چشمے پر کسی سے باتیں کرنے میں لگ گئی تھیں حرام خور...... نالائق...... نگوڑی؟“

مائدہ عام حالات میں ماں کی تمام کڑوی کسیلی باتیں خاموشی سے سن لیتی تھی اور کسی بات کا جواب نہیں دیتی تھی لیکن موجودہ صورتِ حال میں اس نے تاخیر کی وجہ بتا دینا ضروری سمجھا اور بولی ”اماں! میں دراصل ایک ضعیف عورت کو پانی پلا رہی تھی۔“

اتنے الفاظ مائدہ کے منھ سے نکلے اور ساتھ ہی گلاب کے دو خوب صورت پھول، دو چمک دار ہیرے اور دو سچے موتی اور دو قیمتی زمرد جگ مگ کرتے زمین پر گر پڑے۔

امّاں جو غصّے میں نا جانے کیا کچھ بولے جا رہی تھیں اور ابھی مزید بہت کچھ بولنے کے لیے ان کے پاس یقیناً بہت کچھ تھا کہ اچانک جیسے ان کے ہونٹوں کو بریک لگ گئے۔ آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں اور چہرے کا تناؤ یکا یک پہلے کم پھر ختم ہو گیا۔ اس طرح کا واقعہ انھوں نے کاہے کو اپنی زندگی میں دیکھا ہوگا۔ ان کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ بالآخر انھوں نے بیٹی سے پوچھا کہ یہ کیا ماجرا ہے؟ اور مائدہ نے سب کچھ بتا دیا۔

امّاں بھاگی بھاگی اپنی بڑی بیٹی فاخرہ کے پاس گئیں اور اسے بتایا کہ دیکھو مائدہ کے ساتھ کیا حیران کن اور خوش گوار واقعہ پیش آیا ہے۔ پھر کہا کہ اس طرح کا واقعہ تو تمھارے ساتھ پیش آنا چاہیے تھا۔

فاخرہ نے مارے حسد کے بڑی ناگواری سے یہ بات سنی اور بڑی بے نیازی سے

بولی ”مجھے ان چیزوں کی کوئی ضرورت نہیں۔“

لیکن ماں نے اصرار کیا تم بھی مٹکا لے چشمے پر جاؤ اور اسی طرح کا کوئی تحفہ لے کر آؤ۔

”مگر امّاں! میں نہیں جاؤں گی۔ مٹکا لے جاتے اور لاتے ہوئے کسی نے مجھے دیکھ لیا تو کیا سوچے گا کہ میں ملازموں جیسا کام کر رہی ہوں۔“ فاخرہ نے ناگواری سے کہا۔

”بات کو سمجھ کیوں نہیں رہیں، میں تمھارے فائدے کے لیے کہہ رہی ہوں۔ تم جانتی ہو کہ میں تمھیں کتنا چاہتی ہوں۔ اگر تمھیں اس طرح کا کوئی تحفہ مل جاتا ہے تو سوچو تم کتنی خوش نصیب بن جاؤ گی، قیمتی ہیروں، موتیوں اور قیمتی پتھروں کے سبب تم کتنی مال دار ہو جاؤ گی۔“ ماں نے لجاجت سے بیٹی کو قائل کرنے کی کوشش کی مگر فاخرہ اپنی ہی طرز کی ایک ضدی لڑکی تھی۔ جب وہ کسی طور چشمے پر جانے کو رضامند نہ ہوئی تو ماں کو غصہ آ گیا ”تم وہ بدنصیب ہو کہ نعمتیں تمھارے پاس آنا چاہتیں ہیں اور تم انھیں لینا نہیں چاہتیں۔ ایسی اولاد بھی کس کام کی کہ اس کے فائدے کی بات کی جائے اور وہ نہ مانے۔ میں بالکل نہیں سمجھ پا رہی کہ تمھارے نزدیک ہیروں، موتیوں اور قیمتی پتھروں کی اہمیت کیوں نہیں۔ یہ چیزیں تو کسی بھی عورت کی کم زوری ہوتی ہیں۔“ ماں ایک لمحے کو سانس لینے کے لیے رکی لیکن ہمت نہیں ہاری اور مزید ڈانٹ کر بولیں: ”ذرا سوچو اس خوبی کے حاصل ہونے کے بعد تمھارے لیے کتنا اچھا رشتہ آ جائے گا اور تم راج کرو گی۔ ابھی بھی وقت ہے، میری بات مان جاؤ، میں تمھارے نقصان کی نہیں، فائدے کی بات کر رہی ہوں...... آخر تمھاری سمجھ میں بات کیوں نہیں آ رہی......“

امّاں اب رُک رُک کر مگر مسلسل بولے جا رہی تھیں۔ فاخرہ ان کے اس طرح بولنے سے تنگ آ گئی تھیں۔ اسے معلوم تھا کہ ماں اگر بولنے پر آ جائیں تو کیسے بے طرح بولتی ہیں اور انھیں چپ کرانا کس قدر مشکل ہوتا ہے۔ کہنے لگی: ”اچھا...... اچھا...... میری امّاں! چلی جاؤں گی تمھارے کہنے پر۔ اگرچہ مجھے ان چیزوں کی خاطر پانی لانے جیسا گھٹیا کام کرنے کی ضرورت نہیں۔“

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

فاخرہ نے مٹی کا گھڑا اٹھانے کے بجائے گھر کا سب سے قیمتی برتن چاندی کا جگ اٹھایا اور جانے لگی۔ ایسا اس نے اس لیے کیا تھا کہ ہاتھ میں پکڑا ہوا اچھا لگے۔ ماں نے ایک بار پھر اسے سمجھایا: ''وہاں کوئی بوڑھی عورت نظر آئے تو پانی پلا دینا۔''

فاخرہ جس وقت چشمے پر پہنچی' وہاں کوئی نہیں تھا۔ اس نے اِدھر اُدھر دیکھا اور بیزاری سے بڑبڑائی: ''نہ جانے اماں کو مجھے یہاں بھیجنے کی ضد کیوں ہو رہی تھی؟''

وہ تھوڑی دیر تک اِدھر اُدھر ٹہلتی رہی پھر ایک ٹیلے پر بیٹھ گئی۔ اس کا ذہن ماں کی باتوں ہی میں الجھا ہوا تھا۔ وہ جھلاتے ہوئے بار بار سر کو جھٹک رہی تھی۔

معاً اس نے دیکھا کہ سفید گھوڑے پر سوار ایک نہایت حسین و جمیل خاتون آ کر رکی تھی۔ اس نے فاخرہ کو ایک نظر دیکھا اور کہا: ''میں سفر میں تھک چکی ہوں' کیا تم مجھے پانی پلا سکتی ہو؟''

فاخرہ اپنی ماں کی باتوں کے سبب پہلے ہی الجھی ہوئی تھی۔ اس نے ناگواری سے خاتون کی طرف دیکھا' ناک منہ چڑھایا اور بیزاری سے بولی۔ ''میں کوئی تمھاری ملازمہ ہوں جو اس طرح مجھے حکم دے رہی ہو؟ پیاس لگ رہی ہے تو گھوڑے سے اترو اور چشمے سے پانی پی لو۔''

خاتون دراصل مائدہ کے سامنے ضعیف عورت کے روپ میں آنے والی پری ہی تھی۔ وہ اس وقت ایک حسین عورت کے روپ میں تھی۔ اس نے بڑے حوصلے سے اس بدتمیز لڑکی کی بات کو سُنا اور کہا: ''تمھارے اس جواب پر میں تمھیں بھی ایک تحفہ دینا چاہتی ہوں اور وہ یہ ہے کہ تم جب بات کرو گی' تمھارے منہ سے مینڈک اور سانپ گریں گے۔''

''چل چل..... آئی بڑی.....'' فاخرہ غصے سے بولی

فاخرہ کا اتنا کہنا تھا کہ اس کے منہ سے ایک سبز رنگ کا موٹا سا مینڈک اور ایک لمبا سا سانپ گرا۔

خاتون اب غائب ہو چکی تھی اور فاخرہ حیران و پریشان وہاں کھڑی رہ گئی۔

فاخرہ بوجھل قدموں سے گھر لوٹی۔ وہ بہت خوف زدہ نظر آ رہی تھی۔ ماں بڑی بے تابی سے اپنی چہیتی بیٹی کی جانب بڑھی اور بولی ''آ گئی میری بیٹی! کامیاب ہو کر آئی ہو نا؟''

فاخرہ روہانسی ہو کر بولی: ''اس کم بخت عورت نے میرے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا.....''

ابھی فاخرہ کے منہ سے اتنے الفاظ نکلے تھے کہ اس کے ساتھ ہی دو سبز رنگ کے مینڈک اور دو سانپ اس کے منہ سے بھی آ گرے۔

یہ دیکھ کر ماں کی ایک خوف ناک چیخ نکلی: ''ہائے میری بیٹی.....'' سانپوں اور مینڈکوں کو ایک بار پھر دیکھ کر فاخرہ بھی خوف زدہ ہو گئی تھی۔

☆☆☆

ماں بے حد غصے میں دھاڑی: ''مائدہ! بد بخت! یہ سب تمھارا ہی کیا دھرا ہے۔ تجھے تو میں.....'' یہ کہتے ہوئے وہ موٹا ڈنڈا لے کر مائدہ کی جانب بھاگی اور مائدہ پٹائی سے بچنے کے لیے بیرونی دروازے کی جانب بھاگی۔ ماں ڈنڈا لے کر اس کے پیچھے پیچھے بھاگ رہی تھی۔

مائدہ کا رُخ جنگل کی جانب تھا اور وہ بھاگتے بھاگتے جنگل پہنچ گئی۔ ماں نے جب دیکھا کہ وہ مائدہ کو نہ پکڑ پائے گی تو وہ بہت پہلے ہی گھر لوٹ گئی تھی۔

مائدہ ماں کے خوف سے گھر واپس نہیں جا سکتی تھی۔ وہ پریشانی کے عالم میں جنگل میں ایک درخت کے نیچے سر جھکائے بیٹھی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے اور کیا نہ کرے۔

اس حالت میں کافی دیر ہو گئی تھی اور سورج غروب ہونے میں تھوڑی ہی دیر رہ گئی تھی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ کیا آج رات مجھے جنگل میں گزارنی پڑے گی؟ کیا کوئی جنگلی درندہ مجھے آج رات اپنا نوالہ بنا لے گا؟ بچ گئی تو آئندہ زندگی کیسی ہو گی؟

وہ انھی خیالوں میں گم تھی کہ اس نے دیکھا کہ اس کے قریب گھوڑے پر سوار ایک شہزادہ

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

کھڑا تھا۔ وہ شہزادہ شکار کھیلتے ہوئے اِدھر آ نکلا تھا۔ شہزادے کے ساتھی کچھ ہی فاصلے پر پیچھے کھڑے تھے۔

شہزادے نے مائدہ سے پوچھا: ''تم کون ہو اور یہاں کیوں بیٹھی ہو؟'' مائدہ پریشانی کے عالم کوئی جواب نہ دے سکی تو شہزادہ گھوڑے سے نیچے اتر آیا اور مائدہ کے پاس بیٹھ کر دوبارہ اپنا سوال دُہرایا۔

مائدہ نے اس بار اپنا سر اوپر اٹھایا اور ساری بات بتائی۔ جب وہ بات کر رہی تھی تو شہزادے نے دیکھا کہ اس کے منہ سے سرخ اور زرد رنگ کے گلاب کے پھول جھڑ رہے تھے اور اس کے ساتھ ہی جگمگ کرتے دو ہیرے، دو سچے موتی اور دو قیمتی زمرد بھی گرے۔

شہزادے کے لیے یہ ایک انوکھی بات تھی۔ اس نے مائدہ کو بڑی حیرت سے دیکھا۔ شہزادے نے اب تک بے شمار خوب صورت لڑکیاں دیکھی تھیں لیکن جو سادگی و پُرکاری اسے مائدہ کے حُسن میں نظر آئی تھی، وہ سب سے الگ کشش رکھتی تھی۔ بس وہ ایک غریب لڑکی تھی..... لیکن نہیں..... وہ اب غریب لڑکی نہیں تھی۔ اس کی باتوں کے نتیجے میں گرنے والے موتی، ہیرے اور دوسرے قیمتی پتھر اسے دنوں میں امیر ترین لڑکی بنا سکتے تھے۔ شہزادے نے اپنے دل میں مائدہ سے شادی کرنے کا ارادہ کر لیا اور اسے اپنے ساتھ لے کر محل کی طرف روانہ ہو گیا۔

☆☆☆

اُدھر فاخرہ نے سانپوں اور مینڈکوں کے خوف سے خاموشی اختیار کر لی تھی۔ ماں نے اسے اپنے لیے بھی خطرہ خیال کیا تھا۔ اس کی چہیتی بیٹی اب انسانوں کے ساتھ رہنے کے قابل نہیں رہی تھی۔ بستی کے سارے لوگ ان دونوں ماں بیٹی سے کترانے لگے تھے لہٰذا اس کی ماں نے فاخرہ کو گھر سے نکال دیا۔ فاخرہ نے پہاڑوں کا رُخ کیا اور کئی دن بھوکی پیاسی رہنے کے بعد ایک دن بے بسی سے مر گئی تھی۔

الٰہی پبلی کیشنز کی نئی مطبوعات

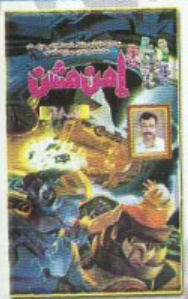
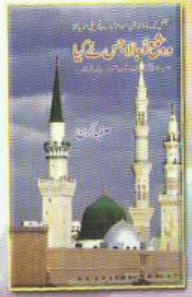
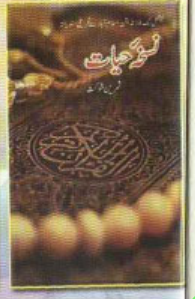

☆بہترین لے آؤٹ ☆عمدہ طباعت ☆عمدہ کاغذ ☆ہارڈ بائنڈنگ کے ساتھ

ان چھ کتابوں کی تعارفی قیمت صرف 500 روپے

ڈاک ٹکٹ/منی آرڈر بھیج کر طلب کریں

رابطہ: انوکھی کہانیاں۔ پی او بکس نمبر 4252۔ کراچی 74000
موبائل 0333-2172372

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

The Only Sharpen Pencil

FABER-CASTELL

Germany

World's Largest Pencil manufacturer

itsurdu.blogspot.com